ماہنامہ
لاہور
نعت
مولانا خیر الدین
اور ان کی
نعت گوئی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باقاعدہ اشاعت کا 18واں سال

راجا غلام محمد (صدر ادارہ [illegible]) کی یاد میں جاری جریدہ

ماہنامہ نعت لاہور

جلد 18 فروری 2005 شمارہ 2

مولانا خیر الدین اور اُن کی نعت گوئی

پبلشر
راجا رشید محمود
صدر
ایوان نعت
رجسٹرڈ

قیمت:
15 روپے (عام شمارہ)
60 روپے (خصوصی شمارہ)
200 روپے (زر سالانہ)
عرب ممالک کے لیے 30 ریال

پرنٹر: حاجی محمد نعیم کھوکھر جیم پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ/ڈیزائننگ: مدنی گرافکس فون: 7230001

بائنڈر: خلیفہ عبدالمجید بک بائنڈنگ ہاؤس 38 اردو بازار لاہور

فون: 7463684

اظہر منزل، چوک گلی نمبر 5/10 نیو شالامار کالونی ملتان روڈ لاہور (پاکستان)
پوسٹ کوڈ: 54500

اخفائے حق کے مخالفین
کے نام

مولانا خیر الدین
اور اُن کی
نعت گوئی

تحقیق و تحریر:
راجا رشید محمود

فہرست

☆☆☆☆☆

مولانا خیرالدین اوران کی نعت گوئی

مولانا خیرالدین (خیوری) دہلوی کا خاندان

مولانا خیرالدین دہلوی کے صاحبزادے ابوالکلام آزاد نے تذکرہ (حصہ اول) کے آغاز میں بیان کیا: ''میرے خاندان میں تین مختلف خاندان جمع ہوئے ہیں اور تینوں خاندان ہندوستان وحجاز کے ممتاز بیوتِ علم وفضل اور اصحابِ ارشاد وہدایت میں سے ہیں۔ دنیوی عزت و جاہ کی اگرچہ ان میں سے کسی نے خواہش نہیں کی لیکن دنیا نے اپنی عزتوں اور شوکتوں کو ہمیشہ ان کے سامنے پیش کیا۔ اور کبھی انھوں نے قبول کیا اور کبھی رد کر دیا۔'' (۱)

ان تینوں خاندانوں کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ مولانا (آزاد) کے دادا شیخ محمد ہادی تھے جن کا تعلق دہلی کے ایک مشہور خاندانِ علم و فضیلت سے تھا

۲۔ مولانا (آزاد) کی والدہ ماجدہ حضرت شیخ محمد بن ظاہر وتری کی بھانجی تھیں۔ جو گزشتہ دور کے اکثر علماء حجاز کے استاذ حدیث اور شیخ عبداللہ سراج کے بعد مکہ معظمہ کے آخری محدث تھے۔ ان کے بعد اس درجے کا کوئی شیخ حدیث حرمین میں نہیں ہوا۔

۳۔ مولانا (آزاد) کے والد مرحوم کے نانا رکن المدرسین مولانا منورالدین اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم ودرس اور اصحابِ طریقت وسلوک میں سے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں علوم ظاہر وباطن کی جامعیت عطا کی تھی۔ ان کا شمار شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے اجلّہ تلامذہ میں سے تھا۔ (۲)

مولانا خیرالدین کے والد کا نام محمد ہادی تھا جو دہلی مرحوم کے مشہور خاندان علم وفضیلت سے تعلق رکھتے تھے۔ جس میں بیک وقت پانچ پانچ علماء درس وافتاء اصحاب سلوک وطریقت پیدا ہوئے ہیں۔ (۳)

پیدائش

خیر الدین دہلوی ۱۸۳۱ء/۱۲۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔(۴) یکم جنوری ۱۸۳۱ء ۱۷ رجب ۱۲۴۶ھ کو تھی۔ ۱۲۴۷ھ جون میں شروع ہوا۔(۵) اس لیے طے ہوا کہ وہ ۱۸۳۱ کی آخری ششماہی میں اس دنیا میں آئے۔

ابتدائی حالات

مولانا خیر الدین تین یا چار سال کے تھے کہ ان کے والد شیخ محمد ہادی کا انتقال ہو گیا جنھیں مولانا منور الدین مرحوم نے خانہ داماد بنا لیا تھا۔ گویا شیخ محمد ہادی کو اپنی پوری وراثت سپرد کر دینے کا عزم کر لیا تھا۔ کچھ بعد مولانا خیر الدین کی والدہ ماجدہ نے بھی قضا کی اور کم سن نواسے کی تعلیم و تربیت کے لیے نانا کی آغوشِ شفقت کے سوا کوئی مقام نہ رہا۔ مولانا منور الدین کے تعلقات وقت کے مشہور علماء کرام سے بہت گہرے تھے۔ اس وجہ سے ان کے نواسے کو ہر چشمۂ فیض سے دل خواہ اخذ و استفادہ کا موقع ملا ہوگا۔ چنانچہ بیان کیا گیا ہے کہ مولانا خیر الدین نے اپنے نانا کے علاوہ مفتی صدر الدین آزردہ مرحوم سے بھی تحصیل علوم کی۔ جنھیں علوم و فنون کے علاوہ عربی و فارسی ادب میں فضیلت کا مرتبہ حاصل تھا کہ ان کے بعد پھر کوئی ویسا عالم نہ ہوا۔ معقولات کی کتابیں دوسرے اساتذہ کے علاوہ مولانا رشید الدین (صاحب رشیدیہ) سے بھی پڑھیں اور حدیث کی تکمیل حجاز پہنچ کر شاہ محمد یعقوب دہلوی نیز دیگر علماء حجاز سے کی۔ اٹھارہ برس کی عمر میں مولانا خیر الدین تکمیل علوم سے فارغ ہو چکے تھے تو دوسرے علوم کے علاوہ طب بھی پڑھی بلکہ ڈاکٹری سے بھی آگاہی حاصل کی۔(۶)

عبدالرزاق ملیح آبادی کی مرتبہ کتاب میں مذکور ہے کہ ان کے اساتذہ میں مولانا فضل امام خیر آبادی بھی تھے۔ لیکن غلام رسول مہر نے قرار دیا ہے کہ وہ تو خیر الدین کی ولادت سے دو سال پہلے فوت ہو چکے تھے۔ ممکن ہے ابوالکلام نے مولانا فضلِ حق خیر آبادی کا نام لیا ہو۔

مولانا خیر الدین نے بعض مردانہ ورزشیں اور تفریحی فنون بھی سیکھے۔ مثلاً پنجہ کشی میر پنجہ کش سے تیر اکی میر مچھلی سے تیر اندازی قلعہ معلیٰ ہی کے ایک استاد سے۔ اسی طرح کشتی لڑنا سیکھا۔ تب حافظ امام بخش خط نسخ کے امام تھے ان سے خوشنویسی سیکھی۔ نشانہ اندازی، شمشیر زنی اور

لکڑی کے فنون بھی سیکھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری وقت تک ان کا بدن کسرتی رہا۔(۷)

نامور فرزند کی طرف سے حالاتِ والد سے اغماض

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی نے پی ایچ ڈی کے لیے تحریر کردہ اپنے مقالے میں لکھا: "حیرت ہے کہ ابوالکلام آزاد جن پر برصغیر پاک و ہند میں سیکڑوں نہیں ہزاروں کتابیں لکھی گئیں اور جن کی زندگی کے ہر پہلو یعنی سیاسی، ادبی اور دینی پر بیسیوں لوگوں نے قلم اٹھایا۔ ان کے والد گرامی کے تذکرے سے تمام کتب خالی ہیں۔ حتیٰ کہ مولانا آزاد نے اپنی خاندانی حیثیت اور منزلت پر "تذکرہ" جیسی قابل قدر کتاب تحریر کرتے وقت بھی اپنے والد کے حالات سے پردہ نہیں اٹھایا۔ حیرت اس پر نہیں کہ والد کو نظر انداز کر دیا بلکہ اس پر ہے کہ ایسے والد کو جس کی علمی اور دینی خدمات کا انھیں خود بھی اعتراف تھا یہ ارادۃً عدم توجہی قاری کو پریشان کرتی ہے۔"(۸)

ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے اس رویے کو آزاد کی "ارادۃً عدم توجہی" کہا ہے۔ راقم الحروف نے اس بارے میں لکھا تھا: "شاید احباب کے علم میں نہ ہو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بیٹے مرزا سلطان احمد قادیانی جو ریاست بہاولپور میں اہم عہدے پر رہے اپنے باپ کے دعویٰ نبوت کے قائل نہ تھے۔ اسی لیے باپ نے بھی ان کا ذکر نہ کیا۔ جب باپ یا بیٹا مختلف نظریہ رکھتا ہو تو اسی طرح اسے بھلا دیا جاتا ہے۔"(۹)

حجاز کو ہجرت

شورش کاشمیری نے لکھا: مولانا منور الدین نے ہجرت کی تو ان کے ہمراہ مکہ معظمہ چلے گئے۔ وہاں کوئی دس برس گزار کے شادی کی"۔(۱۰) اس بیان میں ایک تو یہ بات غلط ہے کہ مولانا منور الدین بھی حجاز پہنچے تھے۔ دوسرے شادی بھی مکہ معظمہ کے بجائے مدینہ منورہ میں ہوئی تھی۔ غلام رسول مہر لکھتے ہیں: "جب مولانا منور الدین نے بہ نیت ہجرت حرمین کا سفر اختیار کیا تو یہ بھی ساتھ تھے۔ مولانا منور الدین کے بمبئی میں ۱۸۵۸/۱۸۵۹ء میں انتقال کر جانے کے بعد حجاز گئے۔"(۱۱) پروفیسر سید شفقت رضوی مزید تفصیلات بیان کرتے ہیں: "اثنائے سفر بھوپال میں قیام کیا۔ والیۂ ریاست نواب سکندر جہاں بیگم کو انھیں(؟) اس درجہ عقیدت ہو گئی کہ انھوں نے بہ اصرار روکے رکھا۔ وہاں انھوں نے تقریباً ایک سال گزارا۔ اسی (اس) دوران میں بھوپال کے

مسلمان مولانا منور الدین اور مولانا خیر الدین سے فیض پانے اور ہدایت لینے کے لیے آتے رہے۔ اس طرح خواص اور عوام میں مریدوں اور عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا۔ ایک سال بعد وہ بمبئی کے لیے روانہ ہوئے جہاں مولانا منور الدین بیمار ہو گئے۔ بیماری نے اتنا طول کھینچا کہ انھیں دو سال وہاں قیام کرنا پڑا۔ بمبئی اور اطراف کے علاقوں کے ہزاروں مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے۔ مولانا منور الدین نے بمبئی میں انتقال کیا۔ چونکہ مولانا خیر الدین ہجرت کے عزم سے نکلے تھے اس لیے وہ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے۔ (۱۲)

عبداللہ بٹ نے بھوپال کے بجائے انھیں رامپور پہنچایا۔ ''وہاں (دہلی) سے سیدھے رامپور پہنچے۔ نواب یوسف علی خان والی رامپور آپ کا مرید تھا۔ اس کی وساطت سے آپ بمبئی تشریف لائے۔''(۱۳)

خود ابوالکلام آزاد نے محمد یوسف جعفری رنجور کے نام اپنے مکتوب مرقومہ ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء میں لکھا: ''میرے والد خیر الدین دہلی کی قدیم سوسائٹی کی یادگار ہیں۔ جن کا خاندان بغداد سے پنجاب آیا اور پنجاب سے شاہ عالم کے زمانے میں دہلی پہنچا۔ غدر (جنگِ آزادی۔ محمود) سے کچھ پہلے میرے والد بمبئی آئے اور بمبئی سے مکہ معظمہ چلے گئے۔ (۱۴)

ابوالکلام کہتے ہیں کہ ان کے والد نے ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے کچھ پہلے دہلی چھوڑ دی تھی۔ سید شفقت رضوی کے نزدیک بھی انھوں نے قریباً ایک سال بھوپال میں اور دو سال بمبئی میں گزارے اور پھر بقول غلام رسول مہر ۱۸۵۸/۱۸۵۹ء میں اور بقول ڈاکٹر ابوسلمان ۱۸۵۹/۱۸۶۰ء میں حجاز گئے۔ اس سے عبداللہ بٹ کا یہ کہنا کہ جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد دہلی کی تاخت و تاراج سے دلبرداشتہ ہو کر انھوں نے ہجرت کا ارادہ کیا اور دہلی چھوڑ دی تھی (۱۵) غلط قرار پاتا ہے۔ آصف علی نے بھی یہی لکھا تھا کہ ''آپ کے والد کو بھی ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی۔ محمود) کے بعد ہندوستان چھوڑنا پڑا۔''(۱۶)

خانہ آبادی

غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ یہاں (حجاز میں) ان کی اس زمانے کے دو مشہور عالموں سے ملاقات ہوئی۔ شیخ عبداللہ سراج مکے میں اور شیخ محمد ظاہر وتری مدینے میں مسند حدیث و فقہ کے

درس و تدریس میں مسلم الثبوت استاد مانے جاتے تھے۔ مولانا خیر الدین ان اصحاب کی خدمت میں حاضری دینے لگے اور انھوں نے ان سے بہت استفادہ کیا۔ حجاز پہنچنے کے تقریباً دس سال بعد یعنی ۱۸۷۰/۱۸۷۱ء میں وہیں مدینے میں شادی کی۔ یہ خاتون جن کا اسم گرامی عالیہ (۱۷) تھا۔ ان کے استاد شیخ محمد بن ظاہر وتری کی بھانجی تھیں۔''(۱۸) مہر صاحب کا یہ بیان غلط ہے۔ مولانا کی اہلیہ کا نام عالیہ نہیں زینب تھا۔ زینب کے خاندان کے بارے میں ملک رام لکھتے ہیں کہ ''مدینہ میں پوچھ گچھ سے پتا چلا کہ ان کا خاندان دراصل مراکش کا رہنے والا اور مدتوں سے علم و ارشاد کا مرکز تھا۔ ان کے بزرگ ہجرت کر کے مدینے میں آ گئے تھے۔ یہ خود وہیں پیدا ہوئی تھیں۔''(۱۹)

''انڈیا ونس فریڈم'' میں ان کو شیخ محمد بن ظاہر کی صاحبزادی لکھا ہے، جو درست نہیں۔

مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت

کتاب ''ایک علمی خاندان'' میں ہے۔ ''شادی کے بعد انھیں اپنا ذاتی مکان بنوانے کا خیال آیا۔ لیکن وہاں کے قوانین کے تحت کوئی غیر ملکی ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ انھوں نے وہاں کی شہریت اختیار کر لی اور شیخ عبداللہ سراج کی زمین کا ایک قطعہ خرید کر مکان تعمیر کروایا۔ یہ مکے کے محلے قدوہ میں باب السلام کے متصل تھا۔''(۲۰)

حرم مکہ میں وعظ

شورش کاشمیری لکھتے ہیں۔ ''کچھ عرصہ شیخ حرم کی منظوری سے حرم میں درس دیتے رہے۔ ان سے پہلے کسی ہندوستانی عالم کو یہ شرف حاصل نہ ہوا تھا۔''(۲۱) پروفیسر شفقت رضوی نے تحریر کیا۔ ''مولانا خیر الدین نے اسناد کی تجدید اور حکومت کی توثیق کے بعد حرم شریف میں درس و تدریس کا آغاز کیا اور کچھ عرصے بعد وعظ بھی دینے لگے۔ اس کے ساتھ ہی حجاز میں ان کے سلسلۂ طریقت کا بھی آغاز ہو گیا اور لوگوں نے بڑی تعداد میں بیعت کی۔''(۲۲)

تصانیف

عبداللہ بٹ نے لکھا۔ ''مولانا خیر الدین اپنی خاندانی روایات سے متبحر اور متقی مشہور تھے۔ وہ ایک جید عالم اور صوفی تھے اور کئی مشہور کتابوں کے مصنف تھے۔''(۲۳) آصف علی کی

تحریر میں ہے "ان کی اکثر کتابیں جو مصر میں چھپی ہیں دینی مباحثات میں قابل قدر اضافہ کا موجب سمجھی جاتی ہیں۔" (۲۴)

غلام رسول مہر، ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی اور پروفیسر سید شفقت رضوی نے ان کی تصانیف کا تفصیلی ذکر کیا ہے۔ غلام رسول مہر کی آٹھ کتابوں کی فہرست میں "عقائد خیوریہ" کا ذکر نہیں جبکہ مولانا خیرالدین نے خود جو فہرست "اسباب السرور لاصحاب الخیور" میں شائع کی اس میں اس کتاب کا سب سے پہلے ذکر ہے۔ مہر نے "نجم المبین لرجم الشیاطین" (عشر مجلدات) کا نام شامل فہرست کیا ہے اس کا نام شفقت رضوی کی فہرست میں نہیں ہے۔ مجموعی طور پر ان کی نو تصانیف کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی کتاب کے بارے میں یہ معلومات نہیں ہیں کہ وہ مصر میں چھپی تھیں یا تو آصف علی کی بات کی کوئی تحقیقی بنیاد نہیں ہے یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ ان کی انھی کتابوں کے کچھ ایڈیشن مصر سے بھی چھپے ہوں۔

۱۔ عقائد خیوریہ: خود مصنف نے لکھا ہے کہ اس کتاب کا حجم پچاس جزو ہے اور اس میں حضور رسول اکرم ﷺ کے نسب کی طہارت کا تذکرہ ہے۔ قیمت چھ روپے تھی۔

۲۔ حفظ المتین عن لصوص الدین: (در بارۂ اطلاق لفظ خدا بر غیر خدا و رد شبہات منکرین) قیمت ایک روپیہ۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کو دستیاب ہوئی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ ۱۳۱۵ھ میں ہادی المطابع کلکتہ سے چھپی۔ صفحات ۹۴ ہیں۔

۳۔ خیر الأمصار مدینۃ الانصار: (در فضیلت مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا) ہادی المطابع کلکتہ۔ ۱۳۱۵ھ۔ کل صفحات ۲۷۔ قیمت ۱۲ آنے

۴۔ الستۃ الضروریہ فی المعارف الخیوریہ: (در بیان "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ") مطبع معدن ارمز مسٹی بالفوز کلکتہ۔ ۱۳۱۵ھ۔ کل صفحات ۴۲۔ قیمت ۸ آنے۔ (۲۴۔الف)

۵۔ الاورادالخیوریہ سلالۃ الادعیۃ الماثوریہ: قیمت ۸ آنے

۶۔ اسباب السرور لاصحاب الخیور: مطبوعہ مطبع ہادی، بمبئی۔ ۱۳۱۸ھ۔ قیمت ایک روپیہ ۴ آنے

۷، ۸۔ درج الدرر البھیۃ فی ایمان الآباء و الامہات المصطفویہ: مطبع توفیقی کلکتہ۔ ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی لکھتے ہیں۔ "سن تالیف درج نہیں ہے۔ اس میں دراصل دو کتابیں ہیں۔ ایک "البصائر العشرۃ الجلیۃ لناظری الجزء الاول من القصائد الخیوریہ۔" اسے "درج الدرر البھیۃ" کی پہلی جلد کہا جا سکتا ہے۔ یہ ۲۷ صفحات پر مشتمل ہے۔ دوسری اصل کتاب یعنی "درج الدرر البھیۃ فی ایمان الآباء والامہات المصطفویۃ۔" اس کے صفحات کی ترتیب میں تکرار ہے۔ ایک ایک صفحہ "مزید" کے لفظ کے ساتھ دو دو مرتبہ درج ہے۔ کل صفحات ۲۹۲ ہیں مکرر ۱۱۳ مزید ہیں۔ اس طرح کل ۴۰۷ صفحات کی کتاب ہے۔" (برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۲،۸۶۱)

جزو اول ۲۷ صفحات کی کتاب کو سید شفقت رضوی نے الگ کتاب کے طور پر درج کیا ہے۔ مگر نام میں "القصائد" کے بجائے "العقائد" لکھا ہے۔ انھوں نے دونوں کتابوں کا سن اشاعت ۱۳۱۲ھ درج کیا ہے۔

۹۔ نجم المبین لرجم الشیاطین (عشر مجلدات): یہ کتاب غلام رسول مہر کی مرتبہ فہرست میں پہلے نمبر پر درج ہے۔ لیکن انھوں نے اس کتاب کی تفصیلات وجزیات درج نہیں کی ہیں۔ البتہ شورش کاشمیری نے لکھا ہے کہ ترکی کے قیام کے دوران میں مولانا خیرالدین نے وہابیت کے رد میں دس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی۔ لیکن اس کی دو جلدیں ہی چھپیں (ابوالکلام آزاد ص ۱۶) ہو سکتا ہے یہی پوری کتاب یا یہ دو جلدیں مصر سے بھی شائع ہوئی ہوں۔

درس وتدریس

شفقت رضوی نے لکھا ہے کہ مولانا خیرالدین نے حرم مکہ میں وعظ سے پہلے درس و تدریس کا آغاز کیا تھا (۲۵) میں سمجھتا ہوں جو شخص مزاجاً مدرس ہو وہ اپنی تدریسی سرگرمیاں اپنے گھر سے شروع کرتا ہے اور جو شخص زیادہ اچھا مدرس ہو وہی بچوں کو پڑھا سکتا ہے۔ بلکہ بچے بھی خود اس کے اپنے ہوں۔ شفقت رضوی لکھتے ہیں: "مولانا خیرالدین اپنے دونوں بیٹوں (ابو نصر غلام یٰسین آہ دہلوی اور فیروز بخت ابوالکلام آزاد) اور دونوں بیٹیوں (آرزو بیگم اور آبرو بیگم) کو

ساتھ ساتھ پڑھایا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ہندوستان آنے کے بعد بھی جاری رہا۔ مولانا خیر الدین نے خلاصہ ہندی اور مصدر فیوض پڑھائے۔ خلاصہ میں نماز روزہ کے مسائل ہیں اور مصدر فیوض فارسی مصادر و قواعد کی کتاب ہے۔ عربی میں پہلے اجرومیہ پڑھی۔ پھر میزان و منشعب اس کے بعد نحو اور صرف اور کافیہ فارسی میں گلستان و بوستاں ایک ساتھ شروع ہوئیں۔ ساتھ ہی آمد نامہ کے مصادر حفظ کرائے گئے۔ اسی طرح مائۃ عامل منظوم بھی حفظ کرایا گیا۔ منطق میں شرح تہذیب فقہ میں کنز الدقائق ان کے علاوہ شرح وقایہ ہدایہ آخرین مشکوٰۃ اور جلالین کے درس دیے۔ اس طرح بڑی حد تک دینیات اور عربی و فارسی کی درسیات کی تکمیل ہو چکی تھی۔ (مولانا خیر الدین) خود بھی علم طب سے واقف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کے بیٹے بھی اس میں مہارت حاصل کریں۔ اس لیے علم طب کی بھی باقاعدہ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ سعدیٰ خود پڑھاتی ...... اردو کی جانب تھوڑی بہت توجہ اس طرح دی گئی کہ (آزاد کے) والد مرحوم ہاتھ سے مرکب حروف لکھ کر دے دیتے تھے اور بھائی بہن ان کی مشق کیا کرتے ...... ان کے پڑھانے کا طریقہ ایسا تھا کہ جو کچھ پڑھتے حافظہ میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جاتا۔ ''(۲۶) ''دوران تعلیم والد کی سخت نگرانی رہتی تھی ...... ان کا طریق تعلیم ایسا تھا کہ اسی سے گہرا ذوق مطالعہ پیدا ہو گیا۔'' (۲۷)

حرم کعبہ میں ان کے درس کے بارے میں شورش کاشمیری کہتے ہیں: ''بحکم شیخ حرم کی منظوری سے حرم میں درس دیتے رہے۔ ان سے پہلے کسی ہندوستانی عالم کو یہ شرف حاصل نہ ہوا تھا۔ (۲۸)

تعلیم کے متعلق ان کا نظریہ واضح تھا کہ وہ ''باوجود انتہائی مذہبی خیالات اور قدیم رجحانات کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے تھے۔ ان کے خیال میں لڑکیوں کو بھی زیور تعلیم سے لڑکوں کی طرح آراستہ ہونا چاہیے۔'' (۲۹)

علمیت

''مولانا خیر الدین اپنی خاندانی روایات کے صحیح اور حقیقی علمبردار تھے۔ وہ ایک جید عالم اور صوفی تھے'' ''مولانا خیر الدین کے علم و فضل اور مجد و بزرگی کا شہرہ ہندوستان کی چار دیواری سے نکل کر ممالک اسلامیہ میں پہنچ چکا تھا۔'' (۳۰)

''سراج الاخبار'' میں ۲۶ جون ۱۸۹۴ کو ان کے متعلق جو خبر چھپی اس میں کہا گیا: ''کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیر الدین صاحب جو بڑے عالم فاضل ولی اللہ جن کے ہزاروں مرید ہیں ....'' (۳۱)

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کی رائے میں ''مولانا اپنے دور کے عالم بے بدل اور فاضل بے مثل تھے۔ خدمت اسلام ان کی زندگی کا مشن تھا اور تمام عمر وہ اس فریضے کی بجا آوری میں ان تھک کوشش کرتے رہے۔'' (۳۲) شفقت رضوی کے بقول ''مولانا خیر الدین بڑے خوش نصیب انسان تھے کہ عزت و نیک نامی کے ساتھ خلق خدا کی خدمت میں زندگی بسر کی۔ ان کے تبحر علمی اور فیوض و برکات کا چشمہ برصغیر سے لے کر جزیرۃ العرب' عراق' شام تک جاری رہا۔'' (۳۳)

ابو الکلام آزاد اور صدر یار جنگ (حبیب الرحمن خاں شروانی) کے خطوط محمد عبد الشاہد خاں شروانی (علی گڑھ) کے مقدمے کے ساتھ شائع ہوئے۔ ان میں اپنے ۲۹ ستمبر ۱۹۴۰ء کے خط میں ابو الکلام آزاد نے علامہ شہاب الدین آلوسی مفتی بغداد مفسر ''تفسیر روح المعانی'' کے خاندان سے اپنے خاندان کے رشتے کا ذکر کرتے ہوئے مولانا خیر الدین کی علمیت کا اعتراف و اعلان یوں کیا:

''ان کے خاندان سے میرے خاندان کا پہلا رشتہ کچھ عجب طرح کے حالات میں قائم ہوا تھا۔ والد مرحوم جب ۱۲۹۳ھ میں عراق گئے تھے تو سید عبد الرحمن نقیب مرحوم کے والد سید علی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ ان ہی کے یہاں ٹھہرے۔ شیخ آلوسی کا انتقال ہو چکا تھا۔ مگر ان کے مصنفات کے قلمی نسخے سید کے خاندان میں متداول تھے اور بڑی عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔ سید مرحوم نے شیخ کی تفسیر ''روح المعانی'' بڑے فخر و مباہات کے ساتھ دکھائی کہ ہمارے شیخ کی تصنیف ہے۔ شیخ آلوسی اگرچہ بظاہر شاہراہ عام سے الگ نہیں ہوئے تھے کہ عہدہ افتاء اور رجوع عام کا علاقہ دامن گیر تھا۔ مگر در اصل سلفی المشرب تھے اور تقلید کی بندشیں بہت کچھ ڈھیلی ہو چکی تھیں۔ چنانچہ تفسیر میں کہیں کہیں اس کی جھلک صاف نظر آ جاتی ہے۔ والد مرحوم حنفیت اور اشعریت میں بڑے ہی شدید تھے۔ ان کی نظر اس معاملہ میں کب چوکنے والی تھی۔ ایک دن عین مجلس دیوان میں کہ شیخ نعمان آلوسی زادہ (جنھوں نے جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین لکھی اور نواب صدیق حسن خاں نے مصر میں چھپوائی تھی) بھی موجود تھے۔ سید علی مرحوم نے پوچھا

آپ نے شیخ کی تفسیر کو کیسے پایا؟ والد مرحوم نے بلا تامل کہا۔ ''خوب ہے مگر کہیں کہیں وہابیت اور اعتزال کی بو مجھے محسوس ہوئی۔'' یہ بے پروا ایراد تمام مجلس پر گراں گزرا۔ خصوصاً شیخ نعمان پر اور صحبت نے مجلس مباحثہ کا رنگ اختیار کر لیا۔ شیخ آلوسی نے حیات خضر سے انکار کیا ہے۔ والد مرحوم نے سب سے پہلے اس کا تعقب کیا۔ پھر تفسیر کے تمام ایسے مقامات ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے اور ایک رسالہ تعقبات میں تصنیف کر کے شیخ نعمان کو بھیجا۔ شیخ نے اس کے جواب میں ایک مکتوب لکھا۔ والد مرحوم نے جواب الجواب لکھ کر اس مکتوب کو بھی اپنے جواب کے رسالہ کے آخر میں شامل کر دیا۔''

''مرحوم سید عبدالرحمن نقیب نے مجھے وہ اطاق دکھایا تھا جہاں والد مرحوم بیٹھ کر لکھا کرتے تھے۔ نیز حرم کا وہ حصہ جہاں والدہ مرحومہ ٹھہری تھیں۔ والد مرحوم کے ہاتھ کا لکھا ہوا اصل رسالہ بھی ''روح المعانی'' کے قلمی نسخے کے ساتھ کتب خانہ میں موجود تھا۔''

سید مرحوم کے تفرس نے پہلی ہی ملاقات میں تاڑ لیا تھا کہ میرے خیالات کی رفتار دوسری ہے۔ مجھے دوسرے دن شیخ سے ملایا تو یوں تقریب کی کہ تمھیں شیخ خیر الدین ہندی یاد ہیں۔ جنھوں نے شیخ کبیر (یعنی شیخ آلوسی) کی تفسیر پر تعقبات کیے تھے۔ یہ ان ہی کے فرزند ہیں۔ لیکن ان سے وہی بو آئی جو ان کے شیخ نے تمھارے شیخ کی تفسیر میں سونگھی تھی......... والد مرحوم نے کئی بار عود کا عطر شیخ مرحوم کو بھیجا تھا۔ انھیں یہ بات یاد تھی۔'' (۳۴)

اتقا

ابوالکلام آزاد نے اپنے ۲۶ اکتوبر ۱۹۴۰ء کے مکتوب بنام صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی میں لکھا۔ ''والد مرحوم کی سحر خیزی نے مجھے بھی بچپن سے اس کا عادی بنا دیا ہے۔'' (۳۵) علامہ اقبال نے بھی اپنی سحر خیزی پر افتخار کیا:

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آداب سحر خیزی (۳۶)

سید شفقت رضوی کی کتاب میں ہے۔ جب تک (آزاد کے) والد زندہ رہے صبح چار بجے سب کو جگا دیتے اور مجال نہ تھی کہ پہلی آواز پر کوئی نہ اٹھے۔ ''جاؤ وضو کرو!'' کی آواز کے ساتھ

ہی سب جاگ جاتے اور بستر سے باہر نکل آتے۔ عرصہ تک نماز والد کے پیچھے گھر پر پڑھتے رہے۔ جب ذرا عمر زیادہ ہوئی تو مسجد میں ادائی فرض کا حکم ہوا۔ صبح اور ظہر والد کے پیچھے پڑھتے، عصر اور مغرب مسجد میں۔'' (۳۷)

کسی نے ایک گمنام خط مولانا آزاد کو سیاسی مخالفت کی بنا پر لکھا اور غصے میں کئی گالیاں دیں جن میں ایک ''اولاد ابلیس'' بھی تھی۔ اس پر مولانا نے جواباً لکھا: ''آپ نے ''اولاد ابلیس'' بھی ایک جگہ لکھا ہے البتہ یہ سچ نہیں ہے کیونکہ میرا مرحوم باپ تو ایک متقی اور نیک اعمال انسان تھا۔ خدا تعالیٰ نے دنیا اور دنیا والوں کی عظمت و جبروت کو اس کی (کے) قدموں پر گرایا مگر اس نے کبھی ان پر غلط انداز نظر بھی نہ ڈالی اور ہمیشہ ''ان عبادی لیس لک علیھم بسلطان'' کے نہاں خانہ محفوظ میں زندگی بسر کی۔'' (۳۸)

ترکی میں قیام

شورش کاشمیری لکھتے ہیں کہ ''سلطان عبدالحمید کے زمانے میں مولانا خیر الدین قسطنطنیہ گئے وہاں دو سال رہے۔'' عبدالمطلب شریف مکہ سے سلطان ناراض ہوا۔ اس نے حامد پاشا کو گورنر بنا کر بھیجا۔ شریف مکہ نے مکہ و طائف کے بدوؤں سے سلطان کے خلاف بغاوت کرا دی۔ بغاوت تو فرو کر دی گئی لیکن عبدالمطلب شریف مکہ کو بہانے سے گرفتار کیا گیا۔ عبدالمطلب کے بعد اس کا بھتیجا غالب شریف مقرر ہوا۔ سلطان نے غالب کے خلاف بعض شکوک کی تصدیق یا تردید میں مولانا خیر الدین کی مدد چاہی۔ اور ان کی مساعی سے عبدالمطلب کی نظر بندی موقوف ہوئی اور تعلقات بگڑنے سے محفوظ ہو گئے۔''

شورش نے لکھا ہے کہ مولانا خیر الدین نے ترکی میں رہ کر ترکی زبان سیکھی۔ پھر اس کی صرف و نحو عربی میں لکھی۔ عربی فارسی ترکی کا ایک لغت تیار کرنا چاہا لیکن قاف تک پہنچ کر موقوف ہو گیا اور توفیہ چلے گئے......... ''مولانا خیر الدین نے ہندوستان کی اس (جس کی تفصیلات شورش پہلے بیان کر چکے) وہابی جماعت کے خلاف شریف مکہ اور قسطنطنیہ کے عوام کو تیار کیا۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں فتنہ اٹھایا۔ نتیجتاً اس جماعت کے ۳۱ آدمی گرفتار کر لیے گئے......... سلطان ترکی نے خیر الدین کو ''تمغہ حمیدی'' دیا۔ (۳۹)

غلام رسول مہر نے ترکی کے قیام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔ ''۱۸۷۲ء میں ترکی کا سفر کیا۔ سلطان عبدالمجید سے ملاقات ہوئی۔ قسطنطنیہ میں دو سال تک قیام رہا۔ طوالتِ قیام کا سبب حجاز میں شریف عبدالمطلب کی بغاوت بھی تھی۔ یہ زمانہ انھوں نے کتب خانوں کی سیر' کتابوں کی نقل اور علماء کی صحبت میں صرف کیا۔ سب سے بڑی بیٹی زینب یہیں پیدا ہوئی۔'' (۴۰)

نجانے مہر نے بڑی بیٹی کا نام ''زینب'' کیسے رکھ لیا۔ زینب تو مولانا کی بیگم اور بچوں' بچیوں کی والدہ کا نام تھا۔ خود ابوالکلام کا ۱۵ جولائی ۱۹۰۳ء کا خط بنام محمد یوسف جعفری رنجور موجود ہے۔ جس میں انھوں نے اپنی اور اپنے بھائی بہنوں کا سن پیدائش تحریر کیا ہے۔ خدیجہ (۱۲۹۱ھ)۔ فاطمہ (۱۲۹۷ھ)۔ حنیفہ (۱۲۹۹ھ)۔ غلام یاسین (۱۳۰۱ھ) محی الدین (۱۳۰۳ھ)......'' اس سے تم کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ سب سے بڑی اولاد خدیجہ ہے۔'' (۴۱)

پھر غلام رسول مہر نے ترکی کے سلطان کا نام عبدالمجید لکھا ہے۔ شفقت رضوی نے بھی یہی نام لکھا ہے (۴۲) لیکن سلطان عبدالمجید جنھوں نے حرمین شریفین کی توسیع میں گرانقدر خدمات انجام دیں اور حرم نبوی ﷺ میں اب بھی جن کے نام کا دروازہ ''بابِ مجیدی'' موجود ہے' وہ تو ۱۷ ذی الحجہ ۱۲۷۷ھ/ ۲۵ جون ۱۸۶۱ء کو فوت ہو گئے تھے۔ (۴۳) سلطان عبدالمجید خان نے ۱۲۷۶ھ میں کعبۃ اللہ کی چھت پر ۵۰ رطل سونے کا میزابِ رحمت لگوایا تھا (۴۴) قاضی محمد سلیمان سلمان منصوری پوری نے مسجد نبوی ﷺ کی توسیع و مرمت کے سلسلے میں سلطان عبدالمجید خاں کے حوالے سے لکھا تھا۔ ''موجودہ عمارت وہی ہے جو سلطان عبدالمجید خان کے عہد میں تیار ہوئی۔ یہ عمارت ۱۵ سال کے عرصہ میں ۱۲۷۷ھ کو مکمل ہوئی تھی۔'' (۴۵) محمد معراج الاسلام کی کتاب میں ہے کہ ''سلطان محمود خان اور سلطان عبدالمجید خان کا دورِ حکومت مجموعی طور پر ۱۲۲۳ھ میں شروع ہو کر ۱۲۷۷ھ پر ختم ہوتا ہے۔'' (۴۶) ''تاریخ الامت'' میں محمد اسلم جیراجپوری بھی بتاتے ہیں کہ ۱۲۷۷ھ میں سلطان عبدالمجید نے ۴۰ سال کی عمر میں انتقال کیا۔ دیندار اور باحمیت تھا۔ مدینہ منورہ میں اس کی یادگاریں ہیں (۴۷) اور مولانا خیرالدین ۱۸۷۲ء میں ترکی گئے تھے (شاید ۱۲۸۹ھ میں)

اب ان تذکرہ نویسانِ آزاد کی طرف آتے ہیں۔ جو مولانا خیرالدین کا سلطان عبدالحمید خاں کے عہد میں ترکی پہنچنا لکھتے ہیں۔ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں کہ سلطان عبدالمجید خان کے انتقال پر اس کا بھائی عبدالعزیز تخت نشیں ہوا اور ۱۲۹۳ھ میں معزول ہوا۔ (۴۸) اس سے

واضح ہوتا ہے کہ جب مولانا خیرالدین ۱۸۷۲ء میں ترکی گئے' وہ زمانہ سلطان عبدالمجید یا سلطان عبدالحمید کا نہیں' بلکہ سلطان عبدالعزیز خاں کا تھا۔ البتہ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے بقول (۴۹) اگر مولانا خیرالدین دو مرتبہ ترکی گئے تھے تو عین ممکن ہے کہ وہ دوسری مرتبہ سلطان عبدالحمید ثانی کے زمانے (۱۲۹۳ھ تا ۱۳۲۸ھ) میں ترکی گئے ہوں (۵۰) تذکرہ نویسوں کا ۱۸۷۲ کے حوالے سے سلطان عبدالحمید کا ذکر بہرحال درست نہیں۔ ایک اور بات کہ آصف علی نے قسطنطنیہ میں ان کا قیام تین سال بتایا ہے (۵۱) جو کہیں اور سے ثابت نہیں ہوتا۔

قونیہ میں قیام

ڈاکٹر ابوسلمان نے اپنے مضمون ''شوقِ سیاحت'' میں عبدالرزاق ملیح آبادی کی روایت سے لکھا: ''قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک کے ممالک کی سیر کی۔ قونیہ میں ایک سال قیام کیا۔'' (۵۲) غلام رسول مہر اور شورش کاشمیری نے بھی یہی لکھا ہے (۵۳)

شام کی سیر

''شوقِ سیاحت'' میں صرف یہ لکھا گیا کہ قونیہ میں قیام کے بعد شام کے دیار و امصار کی سیاحت کی (۵۴) آزاد کے دوسرے تذکرہ نگار بھی مولانا خیرالدین کے قونیہ یا شام وغیرہ کے قیام اور سیاحت کے دوران میں ان کی مصروفیات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکے۔

مصر میں قیام

''شوقِ سیاحت'' کے حوالے سے یہی بات سامنے آئی کہ ''مصر تشریف لے گئے اور قاہرہ میں ایک عرصہ مقیم رہے۔'' (۵۵) البتہ سیّد شفقت رضوی نے یہ اطلاع دی ہے کہ مصر کے دورانِ قیام میں علماءِ ازہر سے ایک اہم موضوع پر مناظرہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ جس کی وجہ سے خدیو ان کا بے حد احترام کرنے لگے تھے (۵۶) غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ ''یہاں متعلقین کی مسلسل علالت کی وجہ سے ایک سال تک قیام کرنا پڑا۔'' (۵۷) اس قیام کو ڈاکٹر ابوسلمان ''کچھ عرصہ'' قیام کہتے ہیں۔

بمبئی آمد

مصر سے مولانا بمبئی آئے اور یہاں ۱۸۷۶ء میں عراق چلے گئے۔

عراق میں قیام

عراق میں بقول مہر چھ سات ماہ اور بقول ڈاکٹر ابوسلمان سات آٹھ مہینے رہے۔
''اس زمانے میں سید عبدالرحمٰن نقیب سادات اشراف بغداد کے والد سید علی رحمۃ اللہ علیہ سجادہ نشین تھے۔ ان ہی کے یہاں ٹھہرے۔ ان سے طریقۂ قادریہ کی اجازت لی اور انھوں نے ان سے طریقۂ نقشبندیہ کی۔'' (۵۸) اس قیام عراق کے بارے میں خود ابوالکلام نے اپنے ایک مکتوب میں جو تفصیلات بیان کی ہیں اور ''روح المعانی'' پر مولانا خیرالدین کے تعقبات کا ذکر کیا ہے، وہ ''علمیت'' کے زیر عنوان تحریر کی جا چکی ہیں۔ (۵۹)

بغداد سے پھر بمبئی

بغداد سے مولانا خیرالدین بمبئی (جسے اب ممبئی بنا دیا گیا ہے) آ گئے۔ یہاں ایک قطعۂ زمین خرید کر مسجد تعمیر کی اور اس کے ساتھ ایک بہت بڑا احاطہ خام عمارت کا کرایہ کے لیے بنایا۔ پروفیسر شفقت رضوی کہتے ہیں: ''مولانا خیرالدین وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہتے تھے کیونکہ ان کے مرید یہاں ہر بڑے شہر خصوصاً دہلی، بھوپال، بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات، کلکتہ میں موجود تھے۔ اس کا ذکر مولانا ملیح آبادی نے بھی ''آزاد کی کہانی'' میں بالتعیین سال کیا ہے۔ مہادیو ڈیسائی لکھتے ہیں کہ وہ غالباً پہلی مرتبہ اپنے گجراتی مریدوں کی درخواست پر جوج کے لیے گئے تھے۔ ۱۸۸۰ء میں حجاز سے بمبئی آئے اور بعد اس کے وقتاً فوقتاً آتے رہے۔ (۶۰)

کلکتہ میں دوبارہ کا قیام اور وعظ و تذکیر

بقول غلام رسول مہر ''ان کے سب سے مقرب مرید حاجی عبدالواحد باصرار کلکتہ لے آئے۔ یہاں ''مسجد ناخدا'' کی تعمیر کے لیے تحریک کی۔ تقریباً تین سال کے قیام کے بعد مکہ واپس چلے گئے۔'' (۶۱) شورش کاشمیری لکھتے ہیں: ''قاضی واحد کلکتے کے سب سے بڑے مسلمان تاجر اور آپ کے مرید تھے۔ انھیں تحریک کر کے جامع مسجد بنوائی۔ اس کے بعد سلطان ٹیپو کے خاندان سے ایک شہزادے فرخ سیر کو زور دیا اور مسجد ٹیپو سلطان کی نیو رکھی جو کلکتے میں جامع مسجد کے بعد

دوسری بڑی مسجد ہے۔ اس طویل قیام نے ان کی پیری مریدی کے سلسلے کو پھیلا دیا۔ ہر روز پانچ پانچ سو یا ایک ایک ہزار آدمی مرید ہوتے۔ جمعہ کو یہ عالم ہوتا کہ نماز ختم ہوتے ہی جم غفیر ہو جاتا۔ اس بھیڑ میں ایک آدمی مسجد کے درمیان کلمات بیعت کا اعادہ کرتا اور عصر تک بمشکل فراغت ہوتی۔'' (۶۲)

ابوالکلام آزاد نے محمد یوسف جعفری رنجور کے نام اپنے ۱۵ جولائی ۱۹۰۲ء کے خط میں لکھا: ''۱۳۰۴ھ کے اوائل میں یکا یک والدہ کو ہندوستان کے مشہور مقامات دیکھنے کا شوق ہوا۔ اور والد صاحب کو بھی حب الوطنی نے اس تحریک کو عملی صورت میں لانے کے لیے آمادہ کر دیا اور سننے والوں نے تعجب سے سنا کہ مولوی خیرالدین صاحب بمبئی آ گئے ہیں۔ ۱۳۰۴ھ کے اواخر میں اجمیر، اکبرآباد وغیرہ مقامات کی سیر کرتے ہوئے کلکتہ پہنچے اور حاجی واحد نا جو یہاں کے مشہور رئیس اور والد صاحب کے معتقد تھے، انھیں اپنے گھر لے گئے۔ کلکتہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ میری والدہ یکا یک سخت بیمار ہو گئیں اور بیماری سے دو ہفتے بعد ان کا انتقال ہو گیا۔''

''والدہ کا انتقال ایسا نہیں تھا جو والد کو نہایت ملول نہ کرتا۔ بہت غمگین رہے نہایت ملول ہوئے۔ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ پھر ہوا لیکن بعض مذہبی بحثوں کے چھڑ جانے اور والدہ کے مزار کے تیار کرنے کے خیال نے رکاوٹ پیدا کر دی۔ انھی دنوں میں کلکتہ کی بڑی مسجد میں ان کا ہر جمعہ کو وعظ ہوا کرتا تھا۔ لوگ جوق در جوق مرید ہو رہے تھے۔ ایمان آبا و اجداد حضرت رسول ﷺ کی بحث ہو رہی تھی۔ انھوں نے اپنی ایک قدیم تصنیف جو اسی موضوع پر لکھی تھی۔ (۶۳) ترمیم کے ساتھ چھپوانی شروع کر دی تھی اور اسی لیے ایک پریس جاری کیا تھا۔ غرض ایسے تعلقات پیدا ہو گئے تھے کہ ہندوستان، کلکتہ کو کئی برس تک روکنے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔'' (۶۴)

ہفت روزہ اخبار ''سراج الاخبار'' جہلم کی ۲۶ جون ۱۸۹۴ء کی اشاعت میں یہ خبر چھپی تھی: ''کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیرالدین صاحب جو بڑے عالم فاضل ولی اللہ جن کے ہزاروں مرید ہیں اور ہزاروں پیش گوئیاں انھوں نے کی ہیں، ان میں سر مو بھی فرق نہیں نکلا اور محلہ ناخدا میں مقیم ہیں۔ ہر جمعہ کو مسجد ناخدا میں یعنی کلکتہ کی بڑی جامع مسجد میں وعظ فرمایا کرتے ہیں۔''

(۶۵) اس سے واضح ہوتا ہے کہ ۱۸۹۲ء میں مولانا، کلکتہ میں تھے اور سید شفقت رضوی نے مولانا کی چھوٹی بیٹی محمودہ بیگم عرف حنیفہ بیگم آبرو کے ذکر میں لکھا کہ ''انھیں فن خطابت ورثہ میں ملا تھا'' اور ابوالکلام کے تذکرے میں کہا کہ ان کی والدہ بڑی لسان اور فصیح البیان تھیں۔ والد بھی وعظ دیا کرتے تھے، ان کے طرزِ خطابت کی دور دور تک دھوم مچی ہوئی تھی'' اور خود مولانا خیرالدین کے کلکتہ میں باوجود ضعیف العمری اور بیماری کے ان کے رشد و ہدایت کے سلسلے کے متعلق تحریر کیا کہ ''ان کا وعظ کم از کم تین گھنٹے کا ہوتا تھا جس کی صورت ایک مرتب کتاب کی ہوتی۔ مطالب میں ربط، ترتیب، تقسیم، استنباط، استدلال، اجمال سے تفصیل اور تفصیل سے پھر اجمال اور اس پر اختتام۔ وعظ میں طوالت کے باوجود سامعین میں اس درجہ استغراق طاری ہو جاتا تھا کہ کوئی اپنی جگہ پر حرکت بھی نہ کرتا۔ کسی موضوع پر وہ صرف چند گھنٹے وعظ دینے کی قدرت نہیں رکھتے تھے بلکہ اس پر مہینوں اظہار خیال کر سکتے تھے۔ (۶۶) عبدالرزاق ملیح آبادی ابوالکلام آزاد کی زبان سے کہتے ہیں کہ ''اسی مسجد میں پہلے سفرِ کلکتہ کے موقع پر دو سال تک سورۂ والضحیٰ کا وعظ بیان کیا اور وہ ختم نہ ہوئی۔ دوسری مرتبہ جب آئے اور وعظ کا سلسلہ شروع ہوا تو ''بسم اللہ'' کو بطور آیت کے تلاوت کر کے دو سال تک اسی پر وعظ کہتے رہے۔ پھر سورۂ یوسف شروع ہوئی تو سات برس تک اس پر وعظ کہا اور آدھی سے زیادہ نہ ہوئی۔'' (۶۷)

ڈاکٹر ابوسلمان لکھتے ہیں کہ ''ابوالنصر اور ابوالکلام دونوں بھائی سیر و سیاحت کے بہت شوقین تھے۔ پہلے تو بمبئی اور کلکتہ کے سفر اپنے والد کے ہمراہ کیے۔'' (۶۸)

پیرِ طریقت خیرالدین

چراغ حسن حسرت کا کہنا ہے کہ ''ان (ابوالکلام) کے والد بزرگوار مولانا خیرالدین ایک مشہور خانوادۂ طریقت سے تعلق رکھتے تھے چنانچہ اب بھی ان کے عقیدت مند ملک کے مختلف حصوں میں موجود ہیں۔'' (۶۹) ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی لکھتے ہیں۔ ''ان (ابوالکلام) کے والد مولانا خیرالدین اپنے وقت کے ایک بہت بڑے پیر اور شیخ الطریقت تھے۔'' (۷۰) ''سراج الاخبار'' جہلم کی خبر پہلے دی جا چکی ہے کہ وہ بڑے عالم فاضل ولی اللہ ہیں جن کے ہزاروں مرید

ہیں اور ہزاروں پیش گوئیاں جو انھوں نے کیں ان میں سر مو بھی فرق نہیں نکلا۔

عبداللہ بٹ نے لکھا: ''دہلی، گجرات، کاٹھیاواڑ، بمبئی اور کلکتہ میں ان کے لاکھوں مرید تھے۔'' (۷۱) پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں: ''بھوپال کے مسلمان مولانا منورالدین اور مولانا خیرالدین سے فیض پانے اور ہدایت لینے کے لیے آتے رہے۔ اس طرح خواص اور عوام میں مریدوں اور عقیدت مندوں کا ایک وسیع حلقہ قائم ہو گیا......... بمبئی اور اطراف کے علاقوں کے ہزاروں مسلمان ان کے حلقۂ ارادت میں شامل ہو گئے .... حجاز میں ان کے سلسلۂ طریقت کا بھی آغاز ہو گیا اور لوگوں نے بڑی تعداد میں بیعت کی .... مولانا خیرالدین وقتاً فوقتاً ہندوستان آتے رہتے تھے کیونکہ ان کے مرید یہاں ہر بڑے شہر خصوصاً دہلی، بھوپال، بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات، کلکتہ میں موجود تھے .... کلکتہ میں باوجود ضعیف العمری اور بیماری کے انھوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں ان کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچی۔ اس زمانے میں ایک ایک مجلس میں پانچ سو یا ہزار آدمی مرید ہوتے تھے۔ قاعدہ تھا کہ صرف جمعہ کی شب کو مرید کرتے تھے۔'' (۷۲)

حمیدہ سلطان کی والدہ اور ابوالکلام آزاد کی اہلیہ زلیخا بیگم میں بہناپا تھا۔ حمیدہ سلطان نے ابوالکلام کی وفات کے بعد جو مضمون لکھا۔ اس میں بتایا کہ ''ان (زلیخا بیگم) کے والد آفتاب الدین صاحب بغداد کے ایک شریف خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کا سلسلۂ نسب حضرت صدیق اکبرؓ سے جا ملتا ہے۔ آفتاب الدین صاحب مولانا (ابوالکلام) کے والد بزرگوار کے خاص مریدوں میں سے تھے۔ زلیخا بیگم ان کی پانچویں صاحبزادی تھیں۔ ان کے پیدا ہوتے ہی انھوں نے پیر کے قدموں پر لا کر ڈال دیا۔ انھوں نے بہت محبت سے اس حسین پیاری بچی کو گود میں لیا اور زلیخا نام رکھا۔'' (۷۳) یہی بات ڈاکٹر ابوسلمان نے یوں لکھی۔ ''دونوں بھائیوں (ابوالنصر آہ اور ابوالکلام آزاد) کی شادی ایک ہی دن اور وقت میں مولوی آفتاب الدین مرحوم کی دو بیٹیوں حنیفہ اور زلیخا سے ہوئی تھی۔ مولوی آفتاب الدین مرحوم مولانا خیرالدین دہلوی کے مرید تھے اور سروے آفس میں ملازم رہے تھے۔ مولانا خیرالدین دہلوی کے انتقال (۱۹۰۸ء) کے بعد وہی اس

خاندان کے سربراہ تھے۔'' (۷۴)

تربیت سے اصلاحِ احوال کے بعد بیعت

ابوالکلام نے مسیتا خاں کی اپنے والد سے بیعت کا حال ''غبارِ خاطر'' میں رقم کیا ہے:
مسیتا خان پیشہ کا گویا تھا.......... کلکتہ میں طوائفوں کی معلمی کیا کرتا تھا۔ یہ والد مرحوم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوا۔ ان کا قاعدہ تھا کہ اس طرح کے لوگوں کو مرید نہیں کرتے تھے۔ لیکن اصلاح و توجہ کا دروازہ بند بھی نہیں کرتے۔ فرماتے "بغیر بیعت کے آتے رہو۔ دیکھو خدا کو کیا منظور ہے۔" اکثر حالتوں میں ایسا ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد لوگ خود بخود اپنا پیشہ چھوڑ کر تائب ہو گئے۔ چنانچہ مسیتا خاں کو بھی یہی جواب ملا۔ والد مرحوم جمعہ کے دن وعظ کے بعد جامع مسجد سے مکان آتے تو پہلے کچھ دیر دیوان خانہ میں بیٹھتے پھر اندر جاتے۔ خاص خاص مرید پالکی کے ساتھ چلتے ہوئے آجاتے اور اپنی اپنی معروضات پیش کر کے رخصت ہو جاتے۔ مسیتا خاں بھی ہر جمعہ وعظ کے بعد حاضر ہوتا اور دور فرش کے کنارے دست بستہ کھڑا رہتا۔ کبھی والد مرحوم کی نظر پڑ جاتی تو پوچھ لیتے 'مسیتا خاں' کیا حال ہے؟ عرض کرتا 'حضور کی نظر کرم کا امیدوار ہوں۔ فرماتے 'ہاں اپنے دل کی لگن میں لگے رہو۔ وہ بے اختیار ہو کر قدموں پر گر جاتا اور اپنے آنسوؤں کی جھڑی سے انھیں تر کر دیتا۔ ذوق نے کیا خوب کہا ہے:

ہوئے ہیں تر گریۂ ندامت سے اس قدر آستین و دامن
کہ میری تر دامنی کے آگے عرق عرق پاک دامنی ہے

(دیوان ذوق مرتبہ آزاد۔ ص ۱۸۷)

کبھی عرض کرتا۔ ''رات کے دربار میں حاضری کا حکم ہو جائے۔'' یعنی رات کی مجلس خاص میں جو مریدوں کی تعلیم و ارشاد کے لیے ہفتہ میں ایک بار منعقد ہوا کرتی تھی۔ اسے والد مرحوم ٹال جاتے۔ مگر ان کے ٹالنے کا بھی ایک خاص طریقہ تھا۔ فرماتے ''اچھی بات ہے۔ دیکھو ساری باتیں اپنے وقت پر ہو رہیں گی۔'' وہ جاں باختۂ امید و بیم اتنے ہی میں نہال ہو جاتا۔ اور رومال سے آنسو پونچھتے ہوئے اپنی گھر کی راہ لیتا۔ خواجہ حافظؔ ان معاملات کو کیا ڈوب کر کہہ گئے ہیں:

بحاجب در خلوت سرائے خاص بگو

''فلاں زگوشہ نشینان خاک درگہ ماست''

(دیوان حافظ۔ ص ۶۲)

لیکن بالآخر اس کا عجز و نیاز اور صدقِ طلب رنگ لائے بغیر نہ رہا۔ والد مرحوم نے اس کو مرید کر لیا تھا اور حلقہ میں بیٹھنے کی اجازت بھی دے دی تھی۔ اسے بھی کچھ ایسی توفیق ملی کہ طوائفوں کی نوچیوں کی معلمی سے تائب ہو گیا اور ایک بنگالی زمیندار کی ملازمت پر قناعت کر لی۔ والد مرحوم کو میں نے ایک مرتبہ یہ کہتے سنا تھا کہ مسیتا خاں کا حال دیکھتا ہوں تو پیر چنگی کی حکایت یاد آجاتی ہے۔ یعنی مولانا روم والے پیر چنگی کی (مثنوی۔ دفتر اول: ۵۶)

پیر چنگی کے بود مرد خدا
حبذا اے سرّ پنہاں حبذا'' (۷۵)

پیشین گوئیاں

ہفتہ وار ''سراج الاخبار'' جہلم کی خبر کے حوالے سے پہلے یہ بات آچکی ہے کہ مولانا خیر الدین نے کلکتہ میں مختلف حالات و واقعات کے متعلق جو پیشگوئیاں کیں وہ درست نکلیں۔ ان کے ایک متبحر عالم دین اور شیخ الطریقت ہونے کی وجہ سے مستقبل کے متعلق خیالات کو رب کریم حقیقت کا روپ دیتا رہا۔

وہابیت کی مخالفت

پروفیسر سید شفقت رضوی کہتے ہیں کہ ''حجاز میں انھوں نے وہابیت کے خلاف محاذ کھولا اور اس سلسلے میں بڑے بڑے تنازعات سے گزرے۔'' (۷۶) شورش کاشمیری نے اس معاملے کی کچھ تفصیلات بیان کی ہیں: ''اس زمانے میں حجاز کے علماء و عوام کو محمد بن عبدالوہاب اور ان کی جماعت سے سخت عناد و تعصب تھا۔ سلطنتِ عثمانیہ نے بھی سیاسی مصلحتوں کے تابع انھیں معتوب و مغضوب گردان رکھا تھا۔ مولانا خیر الدین نے اس وہابی جماعت (جو حجاز چلے گئے تھے) کے خلاف شریفِ مکہ اور قسطنطنیہ کے عوام کو تیار کیا۔ مولانا آزاد کے الفاظ میں فتنہ اٹھایا۔ نتیجۃً اس جماعت کے اکتیس آدمی گرفتار کر لیے گئے۔ لیکن تین کے سوا سب نے تقیہ کیا اور رہا ہو گئے۔ تین کو

فی کس انتالیس کوڑے لگانے کی سزا دی گئی۔ ان گرفتار شدگان کے عقاید کے متعلق جو سوالنامہ مرتب کیا گیا وہ مولانا خیر الدین کا تیار کردہ تھا۔ اس سلسلے کا عبرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ان لوگوں کے اعزہ نے ہندوستان سے جدہ آکر برٹش قونصل سے مدد مانگی کہ ان کی رعایا پر یہ عذاب نازل ہو رہا ہے۔ اس کی مداخلت سے وہ آدمی رہا کیے گئے۔ لیکن دہلی پہنچے تو ان کے مخالفوں نے طوفان کھڑا کر دیا کہ حرم سے مخذول و مردود ہو کر آئے ہیں۔ گورنمنٹ کو ان کی گرفتاری کے لیے مجبور کیا گیا لیکن کسی نہ کسی طرح وہ بچ گئے .... غرض مولانا خیر الدین نے وہابیوں کے لیے مکہ معظمہ میں رہنا ناممکن کر دیا .... اس زمانے میں مولانا خیر الدین نے وہابیت کے رد میں دس جلدوں پر مشتمل ایک کتاب لکھی لیکن اس کی دو ہی جلدیں چھپیں۔ (۷۷) سلطان ترکی نے خیر الدین کو ''تمغۂ حمیدی'' دیا۔''(۷۸)

ناموسِ صحابہؓ کی حفاظت اور اہلِ بیت سے محبت

شورش کاشمیری اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''عبد العلی خان نام کا ایک شیعہ بمبئی میں کوتوال شہر تھا۔ تب کوتوال ہی کے ہاتھ میں شہر کا نظم و نسق ہوتا۔ اس نے ایک کتاب لکھوائی جو صریح تبرا سے بھرپور تھی۔ ادھر وہ کتاب چھپ کر تقسیم ہوئی ادھر خیر الدین نے بمبئی پہنچ کر اس کے خلاف تقریر داغ دی۔ کوتوال شہر میں خدائی کر رہا تھا۔ اس نے مولانا کو قتل کرانے کی ٹھان لی۔ لیکن مولانا نے کتاب کی ضبطی کا مقدمہ دائر کر دیا۔ آخر جیت مولانا کی ہوئی اور عبد العلی نے معافی مانگ لی۔ مولانا صحابہؓ کے بارے میں اس قسم کی زبان درازیاں یا قلم درازیاں کبھی برداشت نہیں کرتے تھے۔ لیکن اہل بیت سے محبت کا یہ عالم تھا کہ عشرہ کی شب اپنے ہاں ذکرِ شہادت کی مجلس منعقد کرتے تو گریہ و بکا اس اوج پر ہوتا کہ بہ قول مولانا آزاد لکھنؤ کی بڑی مجالسِ عزا بھی اس درجے میں نہ تھیں۔''(۷۹)

مخالفین کے اعتراضات اور ان کی حقیقت

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے مولانا ابوالکلام آزاد کے کچھ ابتدائی مضامین

''ارمغان آزاد'' جلد اول میں جمع کر دیے۔ انھوں نے یہ کتاب ۲۲ نومبر ۱۹۷۸ء کو مشہور ماہر فلکیات اور ''سر سید سپیشلسٹ'' ضیاء الدین لاہوری (مصنف کتب کثیرہ) کو پیش کی۔ اس میں ''اعلان الحق'' نام کا ایک رسالہ بھی ہے۔ ہم ''ارمغان آزاد'' سے اس رسالے کی عکسی نقل ذیل میں شامل کر رہے ہیں۔ اس کے مطالعے سے قارئین محترم کو معلوم ہوگا کہ اپنے ابتدائی سلسلۂ مضامین میں ابوالکلام نے والد سے مذہبی و مسلکی اختلاف کے باوجود رویت ہلال کے مسئلے میں ان کا دفاع کیا۔ بعض علماء کلکتہ نے مولانا خیر الدین کے خلاف محاذ قائم کیا تھا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ انھیں جو ''بدعتی مشرک'' اور ''کافر'' کہا گیا اس کا سبب ان کی تصانیف اور تقریریں تھیں جن میں وہ وہابیوں کو آڑے ہاتھوں لیتے تھے۔ خود ابوالکلام نے ان کی کتاب ''نجم المبین لرجم الشیاطین'' (دس جلدیں) ورج الدرر البھیہ حفظ المتین کا ذکر کیا ہے۔ نجم المبین میں وہابیوں کے عقائد کا علمی تحقیقی تعاقب ہے ورج الدرر میں حضور رسول اکرم ﷺ کے آباء امہات کے ایمان پر دلائل ہیں اور حفظ المتین میں غیر خدا کو خدا کہنے کی تغلیط ہے۔ ابوالکلام کے اس رسالے سے یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ مولانا خیر الدین کی مخالفت رد وہابیت اور ذکر شہادت امام حسینؓ کے نتیجے میں ہوئی اور انھیں خیر الدین کے بجائے ''شر الدین'' اور دیگر دشنام طرازیوں کا ہدف بنایا گیا۔ اس پر ابوالکلام نے معترضین کی غلیظ زبان کا ذکر کرتے ہوئے اپنے والد کی تحریروں کے حوالے سے لکھا ہے کہ مولانا کی تہذیب تو قابل ملاحظہ ہے کہ مخالفین کے رد اور ورج الدرر یہ'' کی تائید میں ''حفظ المتین'' لکھی تو معترض کا نام بھی نہیں لکھا۔ اور ''ان شاء اللہ تعالیٰ کبھی میری یا مولانا کی زبان سے کوئی مطلب دشنام آمیز مخالفین کی شان میں نہیں نکلے گا۔'' لیکن رسالہ 'اعلان الحق' میں معترضین کا جواب وہابیت یا ذکر شہادت کے حوالے سے نہیں صرف رویت ہلال کے موضوع پر دیا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت ''اعلان الحق'' میں درج عبد الشکور مرحوم اور دیگر ''علما'' کے رویت ہلال کے بارے میں پہلے سے موجود فتووں سے واضح ہو جاتی ہے کہ رویت ہلال پر اعتراضات تو بہانہ تھا' اصل دشمنی دوسری تھی۔ اور ابوالکلام نے جواب بھی اپنے ابتدائی دور میں دیے۔ بعد میں ایک تو مولانا

خیرالدین کے معترضین اور ابوالکلام مذہب و مسلک کے لحاظ سے ایک رہے۔ دوسرے انھیں سیاسیات اور ہندو مسلم اتحاد کے لیے ان کی مساعی نے والد کی طرف سے بیگانگی اور غیریت پر مائل رکھا۔ یوں تو اب تک ابوالکلامی حضرات ان کے والد کے بارے میں کلوخ اندازی سے باز نہیں آتے (اور ابوالکلام نے اپنے والد کے خلاف زبان دراز حضرات سے محبت و مودت کے گہرے رشتے قائم کیے) مثلاً سعید احمد اکبرآبادی نے آزاد کے غیور اور خوددار ہونے کا ذکر کرتے ہوئے ''برہان'' دہلی میں لکھا کہ ''(انھوں نے) والد مرحوم کی اس تھوان فروشی کو ہرگز گوارا نہیں کیا۔ حالانکہ اس ذریعے سے بلا کسی محنت و مشقت کے لاکھوں کما سکتے اور ایک وسیع و متمول طبقہ کے مرشد روحانی بن سکتے تھے۔'' (۸۰) مولانا امین احسن اصلاحی کے ایک مضمون سے معلوم ہوا کہ ماہر القادری نے مولانا خیرالدین کے بارے میں لکھا تھا کہ ''وہ کوئی بڑے عالم نہیں تھے بلکہ مسجد کو رہن رکھنے والے اور بدعتی آدمی تھے۔'' (۸۱)

سعید احمد اکبرآبادی کی بات اس حد تک درست ہے کہ ابوالکلام اپنے والد کے مذہبی مسلک سے ہٹ گئے بلکہ اس کے مخالف ہو گئے لیکن عبدالوحید خاں کہتے ہیں کہ ان کا مزاج پیرزادوں والا ہی رہا۔ ''وہ ایک پیرزادہ تھے۔ آنکھ کھولی تو ہزاروں مریدوں کو پیر چومتے پایا۔ ہر چند ان کو یہ طریق قدم بوسی اچھا معلوم نہ ہوتا تھا لیکن عقیدت مندوں کے ہجوم نے ان کے اندر فطری طور پر امامت اور قیادت کا جذبہ بچپن سے پیدا کر دیا تھا۔ ''انا و لا غیری'' ان کا شیوہ تھا اور اپنے زعم و پندار میں اپنی راہ کا تعین ان کی فطرت بن گئی تھی۔ انھوں نے اپنے مضامین، خطوط اور تصانیف میں اپنی زندگی کے اس پہلو پر کافی روشنی ڈالی ہے۔'' (۸۲) اور جہاں تک پیری مریدی کا تعلق ہے اس کے متعلق سید ابوالحسن علی ندوی کی رائے سے اختلاف شاید کسی کے لیے بھی مشکل ہو۔ ان کا کہنا ہے کہ ''یہ تو سب جانتے ہیں کہ وہ (ابوالکلام) پیروں کے خاندان کے فرد تھے لیکن یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ خود بڑے بلند پایہ بزرگ تھے اور باقاعدہ بیعت بھی کرتے تھے۔ البتہ ان سے بیعت کا شرف بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا۔'' (۸۳)

اب قارئین محترم ابوالکلام کے رسالے ''اعلان الحق'' کا متن ملاحظہ فرمائیں (۸۴)

اعلان الحق

التماس مؤلف

اس رسالہ سے خاکسار آزاد کو کسی خاص شخص کا رد منظور نہیں ہے بلکہ صرف اہلِ انصاف کی آگاہی مقصود ہے۔ جناب مولانا خیرالدین صاحب کے متعلق مخالفین نے بڑے بڑے اتہام اپنی تحریروں میں زور و شور سے کیے ہیں اور وہ وہ سخت الفاظ مولانا کی شان میں لکھے ہیں جو علما کی شان سے بعید ہیں۔ شرالدین کے نام سے تو مولانا مخالفین میں یاد کیے جاتے ہیں۔ اور یہ مقالات سب و شتم آمیز الفاظ کے جو رسالوں میں اور اشتہاروں میں لکھے ہیں کچھ حقیقت نہیں رکھتا لیکن ناظرین خود معلوم کر لیں گے کہ میں نے تمام تحریروں کو ایک لفظ بھی کسی خاص شخص کا نام لے کر یا مجملاً یا کنایتاً نہیں لکھا ہے۔ بلکہ ہر مقام میں تہذیب کو ملحوظ رکھا ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ کبھی میری یا مولانا کی زبان سے کوئی جملہ سب و شتم آمیز مخالفین کی شان میں نہیں نکلے گا۔ مولانا کی تہذیب تو قابل ملاحظہ ہے۔ کہ مخالفین کے رد میں اور ''درج الدرر البہیہ'' کی تائید میں ''حفظ المتین'' لکھی تو معترض کا نام بھی نہیں لکھا کما لا یخفی علی الناظر۔ اس کے سوا ذاتیات سے بحث جیسی خود ہماری مخالف جماعت میں واقع ہوئی ہے، اس تحریر میں کہیں نہیں کی گئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس سلسلۂ اعلان الحق میں اور اعتراضات اور اتہامات کا رد جو مولانا پر کیے ہیں شائع کیا جائے گا اور دکھایا جائے گا کہ ہمارے معزز مخالفین نے کن کن پیچیدہ طریقوں سے اعتراضات کیے ہیں۔

خاکسار آزاد مؤلف رسالہ ہذا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ

آج کل زمانے میں عجیب عجیب پر آشوب فتنے اٹھا کرتے ہیں طرح طرح کے شگوفے چھوٹتے ہیں مسائل کاسدہ اور عقائد فاسدہ کی اس قدر عام شہرت ہے کہ ہر خواندہ ناخواندہ مجتہد وقت اور امام ہے عجب دور ہے طرفہ طور ہے۔ نئے نئے گل پھوٹے ہیں لوگ اپنی پرانی روش بھولے ہیں، دین میں قسم قسم کے جھگڑے نکالتے ہیں اسلام میں فساد کے رخنے ڈالتے ہیں۔ تعصب کی گھٹا چار طرف چھائی ہوئی ہے جہالت کا طوفان جوش زن ہے ایک لکھا پڑھا فاضل مشہور ہے دوسرا دو حرف لیاقت کے نشہ میں چور ہے ایک اچھے کو برا برے کو اچھا بتاتا ہے دوسرا نام آوری اور شہرت کے لیے مذہب پر چھری پھیرتا ہے۔ ایک نے تمام جہان کو مشرک و بدعتی قرار دیا ہے۔ دوسرے نے تمام کتب فقہیہ کو طاق نسیان پر رکھ کر نئی تحقیق اور نئے اجتہاد کا سبق یاد کیا ہے۔ ایک صاحب فقہا پر تبرے کی لیتے ہیں دوسرے صوفیہ کرام کو برا بھلا سناتے ہیں علماء نے ہٹ دھرمی اور شہرت اپنا اصول قرار دیا ہے جہلاء نے ادھا دھندی تقلید اور وہم تحقیق کو اپنا مذہب سمجھا ہے اور بایں ہمہ لطف یہ کہ حضرات غیر مقلدین تو آئے دن علماء سے اختلاف کرتے ہی رہتے تھے۔ اب حضرات حنفیہ بھی اپنی نام آوری اور شہرت کے لیے ان مسائل سے جو عند الفقہاء مسلم ہیں اور جن کے ثبوت سے تمام فقہ کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اختلاف کرتے ہیں اور جو کچھ جی میں آتا ہے لکھ کر

شائع کر دیتے ہیں۔ گو پھر اہل حق سے معقول ہوتے ہیں لیکن ان کے اختلاف کا اثر عوام پر بہت ہی برا پڑتا ہے۔ بہت سے بے علم جاہل اُن پر اعتماد کر کے دام تزویر میں پھنس جاتے ہیں اور نتیجہ اس کا یہ ہوتا ہے کہ بیٹھے بٹھائے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کلکتہ میں تقریباً بارہ سال سے حضرت مجمع الفضائل مولانا محمد خیر الدین صاحب مد فیوضہ دہلوی مصنف نجم المبین لرجم الشیاطین عشرہ مجلدات و درج البہیہ و حفظ المتین وغیرہ کتب کثیرہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ تشریف فرما ہیں۔ آپ کے وجود سے ہزاروں مستفیض ہوئے سیکڑوں اپنی مرادوں میں کامیاب ہوئے۔ کلکتہ اُمڈ آیا، ہزاروں معتقد و مرید ہو گئے۔ تمام شہر میں مولانا کا طوطی بول اٹھا۔ یہ کیفیت دیکھ کر حضرات علمائے کلکتہ بہ تحریک طبیعت ایک مخالفانہ پالیسی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے اور مختلف ذرائع سے مولانا مد ظلہ سے اختلاف کرنا شروع کر دیا۔ کسی وقت دیکھیے تو ایک لمبا چوڑا فتوی جس پر کالی کالی مہریں جو مفتیوں کے سیاہی قلب پر دال ہیں، گلی کوچہ میں گشت کر رہا ہے۔ ہیں! یہ کیا؟ اجی ذکر شہادت کرنے والے بدعتی مشرک ہے۔ چونکہ مولانا نے ذکر شہادت بیان کیا ہے۔ لہذا یہ مشرک ہیں۔ خیر کچھ دنوں بعد ایک سالہ چار ورقی شائع ہو رہا ہے مسجدوں کے دروازوں پر بٹ رہا ہے۔ یہ کیا؟ یعنی یہ کہ مولانا کافر ہیں۔ الغرض مختلف ذرائع سے مخالفت کی گئی۔

جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر آٹھ نو سال سے (تقریباً) مولانا نے رویت ہلال ماہ رمضان و عید کے بارے میں اختلاف کر بیٹھے اور اپنی دہی لے پر کی بانسری معمول کے موافق چھاپ کر شائع کرنا شروع کر دیا۔ اب عوام بیچارے انھیں حق پرست سمجھ کر انھیں کی تقلید کرنے لگے اور عین عید کے دن کہ روزہ حرام ہے روزہ رکھنے لگے،

یہ حال پر ملال دیکھ کر یہ تو ممکن نہ تھا کہ جان بوجھ کر کھڈے میں گرتے ناچار علاوہ قلعے کے میدان میں نماز عیدین پڑھنی شروع کر دی۔ جہاں تک ممکن تھا پہلے پہلے سمجھایا بوجھایا۔ جب دیکھا کہ پتھر پر جونک نہیں لگتی سکوت اختیار کیا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ۔

مگر یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے معزز مخالفین نے اپنے اشتہاروں میں اور رسالوں میں یا اپنی مختلف تقریروں میں چھاپنا، کہنا شروع کر دیا کہ "مولانا اپنے کشف اور نجوم اور رمل پر اعتبار کرتے ہیں اور حکم روزہ اور عید کی حساب سے دیتے ہیں غالباً اس کہنے سے یہ غرض ملحوظ ہے کہ دور دراز کے علماء جو اصل واقعے سے بے خبر ہیں مولانا سے بدگمان ہو جائیں۔ اس لیے میرا ارادہ تھا کہ اس بارے میں ایک رسالہ شائع کیا جائے جس میں اول تو کو نفع کیا جائے اور پھر جن امور میں خلاف ہے ان پر بحث کر کے دودھ کا دودھ پانی کا پانی باطل کو حق سے جدا کیا جائے۔ مگر آج تک اس کی نوبت نہ آئی۔ چونکہ گذشتہ سال مسجد ناخدا میں بالائے مدرسہ قبل العصر ایک عابد زاہد مولوی صاحب مکرم معظم سے اس بارے میں گفتگو ہوئی تھی اور ضیق وقت کی وجہ سے میں اپنے دلائل پیش نہیں کر سکا۔ بدیں وجہ یہ مختصر رسالہ جامع تحریر کر کے انصاف کا امیدوار ہوتا ہوں مجھے امید قوی ہے کہ ہمارے معزز مخالفین علمائے کلکتہ چشم انصاف سے ملاحظہ فرما کر راہ حق کے جویاں پویاں ہوں گے۔

وھھنا الشرح بالمقصود وما توفیقی الا باللہ الودود۔

مخالفین کا یہ اعتراض کہ مولانا اپنے کشف و نجوم کے اعتبار پر حکم عید و صیام فرماتے ہیں اس کا رد۔ اور ثبوت میں ایک چشم دید حال کا واقعہ"

ناظرین! مولانا پر منجملہ اور اتہامات کے ایک اتہام یہ کیا جاتا ہے کہ یہ اپنے کشف اور نجوم کے اعتبار پر حکم عید و صیام فرمایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بات خلاف شرع ہے کیونکہ شرع کی باتوں میں نجوم اور کشف کو کیا دخل۔ پس یہ بات محض خلاف ہے اور اکثر واقعات ان کے خلاف صریح طور سے شہادت پیش کرتے ہیں۔

(۱) جب سے مولانا علیحدہ روزہ اور عید رکھنے اور کرنے لگے آج تک کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا کہ بلا کسی دلیل کے مولانا نے حکم صادر فرمایا ہو۔ جب فرمایا تو متواتر خطوط اور تار اور گواہی وغیرہ معتبر دلائل پر اور اس سے تمام اہل کلکتہ واقف ہیں چنانچہ مولانا نے اکثر خطوط برسر منبر دکھائے ہیں اور گواہ شاہد پیش کیے ہیں، جس سے کوئی اہل انصاف انکار نہیں کر سکتا۔

(۲) ایک سال کا واقعہ ہم درج کرتے ہیں جس سے یہ بات واضح طور سے متحقق ہو جائے گی، وہ یہ ہے۔ کہ ایک تار جناب حاجی عبدالرزاق صاحب کے پاس جو کلکتہ کے ایک معزز تاجر ہیں، آیا جس میں صاف طور سے تو یہ نہیں لکھا تھا کہ یہاں چاند ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دلیل شرعی ہوتی۔ ہاں یہ لکھا تھا کہ یہاں چاند ہوا۔ یہاں عید ہو گی چونکہ یہ طور سے کہ دلیل معتبر نہیں ہو سکتی۔ اس کے سوا ایک میر صاحب بھی گواہ تھے، چونکہ بے حکم مولانا کے مسجد میں عید نہیں ہو سکتی تھی، تار اور گواہ میر صاحب مولانا کے پاس آئے۔ مولانا نے فرمایا کہ گواہ کیا کہتا ہے۔ پہلے اس سے استماع کرنا چاہیے۔ میر صاحب نے ارشاد کیا کہ میں آج شام کو مرشد آباد سے آرہا تھا ہوگلی کے قبل ہی ریل میں ایک بوڑھی غالباً گوالن بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ لگی کہنے کہ دیکھنا میر صاحب! یہ چاند نظر آرہا ہے۔ جناب میں نے جو نظر اٹھا کے دیکھا تو فی الواقع ناک کی سیدھ چاند دمکا رہا تھا۔ مولانا نے دریافت فرمایا کہ حضرت ابر بھی تھا۔

کہنے لگے کہ نہیں صاحب مطلع صاف تھا۔ مولانا نے تعجباً فرمایا کہ میر صاحب
ہوگلی جو یہاں سے بہت ہی قریب ہے وہاں تو بالکل مطلع صاف ہو۔ اور یہاں
کلکتہ میں عصر سے ابر ہو! خیر جب تار کی نوبت آئی، تو اس میں مبہم طور سے لکھا
تھا اس لیے اس پر شرعی عمل درآمد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ الغرض مولانا نے حکم
عید صادر نہیں فرمایا۔ اتفاقاً جناب عبدالقدوس عطار صاحب بھی تشریف فرما تھے
وہ میر صاحب سے فرمانے لگے۔ کہ میر صاحب اس قدر کذب گوئی! ابھی تو آپ
پانچ بجے میری دوکان پر لکھنؤ کے خربزے خرید رہے تھے، اور پانچ سے چھ تک
آپ مرشدآباد بھی چلے گئے اور وہاں سے از راہ ہوگلی تشریف فرما بھی ہو گئے
اُسْکُتْ اُسْکُتْ یَا اَیُّهَا الْکَذَّاب، اُسْکُتْ اُسْکُتْ یَا اَیُّهَا الْکَذَّاب
میر صاحب تو وہاں سے چلتے ہوئے۔ لیکن دوسرے دن جب معتبر گواہیاں آئیں
مولانا نے حکم افطار عصر کے قریب فرمایا۔ اس واقعہ سے تمام حضرات واقف ہیں
اب جائے غور ہے کہ اگر مولانا کو اپنے کشف اور نجوم پر حکم صادر فرمانا ہوتا، تو
نجوم کے حساب سے تو ضرور اس روز عید ہوتی تھی۔ تار اور گواہ میر صاحب کا
بہانہ موجود تھا، فوراً حکم صادر فرما دیتے۔ مگر چونکہ ان کو محض شرعی اعتبار درکار
تھا، اور عمل درآمد بھی عین ظاہری شرع پر تھا۔ ہرگز حکم عید نہیں فرمایا فاعتبروا
یا اولی الالباب اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عُجَاب۔ ان دلائل سے یہ مخالفین کا عذر
کہ نجوم پر حکم فرماتے ہیں هباءً منثوراً ہوگیا۔ اب ہم اصل بحث پر آتے ہیں۔
کہ جناب مولانا اور حضرات مخالفین علمائے کلکتہ میں جہاں تک غور کیا گیا صرف
ان امور میں اختلاف ہے۔

(۱) مولانا فرماتے ہیں کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں مشرق سے گواہی

یا خبر معتبرہ چاند کی اگر مغرب میں پہنچے، تو مغرب والے اس پر اعتبار کریں
اور روزہ رکھیں، عید کریں۔ لیکن معزز مخالفین فرماتے ہیں کہ نہیں جب تک
ہم اپنی آنکھوں سے کلکتہ میں چاند نہیں دیکھیں گے، تب تک نہ روزہ
رکھیں گے، اور نہ عید بلکہ اعتبار گواہی و خبر متواترہ نیست۔

(۲) مخالفین یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ صوموا
لرویته وافطروا لرؤیته

(۳) بعض مخالف مجبوراً اختلاف مطالع کے نہ معتبر ہونے کے اگر قائل بھی
ہوجاتے ہیں تو پھر یہ مشکل پیش کرتے ہیں کہ عید کی خبر شب بھر میں کسی طرح سے
پہنچ نہیں سکتی۔ سوائے "تار" کے اور تار کا اعتبار نہیں ہے۔ کیونکہ یہ کفار
کے ذریعے سے آتا ہے۔

حضرات ناظرین! یہ تینوں بحثیں خصوصاً تار کی بحث ایک معرکۃ الآراء بحث ہے
اور اس لائق ہے کہ اس کو نہایت طوالت کے ساتھ مع ماله وما علیه تفصیلاً لکھا
جائے لیکن چونکہ مجھے سردست صرف اہل انصاف کی آگاہی کے لیے مختصر تحریر
کرنا ہے، اس لیے نہایت مختصر طور سے پیش کرتا ہوں۔ والعاقل
تکفیه الاشارۃ۔

پہلی بحث اختلاف مطالع کے معتبر ہونے نہ ہونے کی

پہلا اختلاف مولانا و علمائے کلکتہ کا یہ ہے

کہ "اختلاف مطالع کے سبب سے اور ملکوں کے رخ کا اعتبار نہیں" اگرچہ
یہ بحث طول طلب ہے لیکن جہاں تک ہم سے ممکن ہوگا ہم اختصار کے ساتھ
تحریر کریں گے۔ ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ علمائے کلکتہ کا یہ انوکھا مسئلہ جس سے

اور علماء کے کان نا آشنا ہوں گے، خدا جانے کس کتاب میں لکھا ہے آج ہندوستان میں متون و حواشی، شروح، فتاوی ہر قسم کی کتابوں کا کافی سرمایہ مطبوعہ غیر مطبوعہ موجود ہے۔ کوئی شمس العلماء صاحب ہم کو یا تو کھا مسئلہ کہ بسبب اختلاف مطالع اور ملکوں کا اعتبار نہیں، کسی کتاب معتبر میں دکھلا دیں۔ تمام کتب فقہ میں صاف اور ہزار مثالیں دیکر لکھا ہے کہ اختلاف مطالع کا رمضان المبارک میں اعتبار نہیں ہے۔ ہرگز نہیں ہے اگر مغرب والوں نے یکشنبہ کے دن چاند دیکھا۔ اور مشرق والوں نے دوشنبہ کو۔ تو جب شرقیوں کو غربیوں کے پاس سے یکشنبہ کی خبر ہو جائے اور وہ خبر معتبر شرعی ہو۔ تو انکو چاہیے کہ روزہ قضا کریں اور اگر یکشنبہ ہی کے دن خبر ہو جائے تو انکو یعنی شرقیوں کو یکشنبہ ہی سے روزہ رکھنا چاہیے اور اسی کے حساب سے افطار کرنا چاہیے۔

الغرض اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے جس مقام پر گو بعید المشرقین ہو پہلا روزہ ہوا اس کا اعتبار ہے۔ اور ایسا ہی تمام معتبر کتب فقہ میں بالتفصیل لکھا ہے:۔

اب ہم دس معتبر فقہ کی کتابوں سے عبارتیں نقل کیے دیتے ہیں جو فی زمانہ معروف اور متداول ہیں۔ اور ہر جگہ میسر ہو سکتی ہیں۔ اور جن میں صاف طور سے یہ مسئلہ تحریر ہے چشم انصاف سے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) ”فیلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب، اذا ثبت عندهم رؤية اولئك بطريق موجب“ (در المختار)

(۲) ”يلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب فى ظاهر المذهب وعليه الفتوى كذا فى الخلاصة“ (نهر الفائق)

(۳) ”اذا ثبت الهلال فى بلدة لزم سائر الناس فى ظاهر الرواية وعليه الفتوى وهو قول اكثر المشائخ“ (مراقى الفلاح)

(۴) بلدة اذا رأوا الهلال هل يلزم فى حق كل بلدة (الى قوله) وفى الخانية لا عبرة باختلاف المطالع فى ظاهر الرواية وفى الظهيرية عن ابن عباس رض انه كان يعتبر فى حق كل بلدة رؤية اهلها۔ انتهى“ (تاتارخانيه)

(۵) ”لا عبرة لاختلاف المطالع وعليه كثيرا من متون المعتبرة كصاحب الكنز۔ انتهى“ (درجواهر نغيه شرح جواهر فقه)

(۶) والصحيح من مذهب اصحابنا انه يلزم اذا استفاض الخبر فى بلدة الاخرى وان لا عبرة لاتحاد المطالع واختلافها وهذا ظاهر الرواية۔ انتهى“ (جامع الرموز)

(۷) ”قوله احوط۔ اى لعموم الخطاب فى قوله صلعم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته بمطلق الرؤية وهى حاصلة برؤية قليثبت عموم الحكم احتياطاً“ (طحطاوى)

(۸) فى الشامى بعد ذكر مذهب الشافعى ”وظاهر الرواية الثانى وهو المعتمد عندنا اى لا عبرة باختلاف المطالع“ (شامى)

(۹) ”ولا عبرة باختلاف المطالع ومعناه اذا رأى الهلال اهل بلدة ولم رأى اهل بلدة اخرى يجب ان يصوموا برؤيتها الخ“ (تبيين الحقائق)

(۱۰) "لا عبرة لاختلاف المطالع فی ظاہر الروایة و علیه فتوی (الی قوله) لو رأی ہلال رمضان اہل مغرب یجب الصوم اہل مشرق۔" (عالمگیری)

(۱۱) صاحب در المختار نے تو صاف فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ اور اس بارے میں اس نے ایک رسالہ لکھا ہے کہ اختلاف المطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ ہم علامہ ابن عابدین صاحب در المختار کی پوری عبارت چونکہ طویل ہے نقل نہیں کر سکتے در المختار میں دیکھ لینا چاہیے۔ (مطبوعہ مصر صفحہ ۱۵)

قوله علی ظاہر المذہب اعلم ان نفس اختلاف المطالع لا نزاع فیه بمعنی انه قد یکون بین البلدتین بعد الخ۔"

اب ہم نے گیارہ کتب معتبرہ فقہ سے جیسے در المختار، مراقی الفلاح، جامع الرموز، طحطاوی، عالمگیری وغیرہ جن سے فی زمانہ بڑھ کر اور کوئی معتبر کتاب موجود نہیں ہے عبارات نقل کر دیئے ہیں۔ جن میں صاف طور سے لکھا ہے "لا عبرة لاختلاف المطالع فیلزم اہل المشرق برؤیة اہل المغرب۔" جن سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا اور اس کے سوا تمام متون شروح اس میں لکھا ہے کہ۔ علیه فتوی فی ظاہر الروایة۔ علیه کثیرا من متون المعتبرة۔ اب اگر اس پر بھی کوئی نہ مانے اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ کہے جائے تو وہ تعصب اور تقلید ہوائے نفس نہیں ہے تو کیا ہے؟

الغرض ان تمام عبارات بالا سے یہ بات محقق ہو گئی کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے۔ جہاں پہلے رویت ہو اُسی کا اعتبار ہے اور تمام شہروں کو اعتبار اور عمل کرنا چاہیے، اگرچہ بعد المشرقین ہو۔

دوسری بحث

حدیث "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته" پر اور اس بات کا ثبوت کہ یہاں رویت سے مراد علم الیقین ہے۔ اور اس پر قرآنی دلائل

اب ہم کو اس حدیث اور ہم معنی اور حدیثوں پر بحث کرنی باقی ہے کیونکہ جب علماء کلکتہ اس صورت میں عاجز ہو جاتے ہیں، تو پھر مسلم کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ "صوموا لرؤیته وافطروا لرؤیته۔"

ترجمہ۔ اے لوگو! روزہ رکھو چاند دیکھ کر، اور اسی طرح افطار کرو یعنی عید کرو چاند دیکھ کر "الحدیث" پس۔ اس سے ہمارے مخالفین ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ کہ یہاں رویت کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہیں دیکھنے کے۔ تو پھر جب تک ہم اپنی دونوں آنکھوں سے ناک کی سیدھ چاند نہ دیکھیں روزہ اور افطار نہ کریں گے پس "اعتبار گواہی و خبر متواترہ نیست۔" لیکن افسوس ہے، اور سخت افسوس ہے کہ یہ حضرات علماء کلکتہ کہ جن کی عمر کا ایک بہت بڑا حصہ پڑھنے اور پڑھانے میں صرف ہو چکا ہے، ایک حدیث پر غور نہیں فرماتے اور ذرا فقہ کی کتابوں کو کھول کر نہیں دیکھتے جن میں صاف طور سے لکھا ہے کہ "یہاں رویت سے مراد علم الیقین ہے۔"

خیر تو اس حدیث کی علماء نے دو طور سے تفسیر کی ہے۔ اول یہ کہ یہاں رویت کے معنی علم الیقین کے ہیں۔ جب یقینی معلوم ہو جائے کہ فلاں مقام میں "رویت" ہوئی ہے۔ تو گویا اس کو رویت ہو گئی اور اب اس کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔ اور یہ عرب کا قاعدہ ہے کہ جس مقام پر سامع کو علم الیقین حاصل ہو جائے تو اس مقام پر رویت کا لفظ" قائل استعمال

کرتا ہے، اور ہم کلام عرب سے اس کی دلیل پیش کر سکتے ہیں۔ مگر اس وقت تین ایسی دلیلیں تحریر کرتے ہیں کہ اس سے انکار ہو ہی نہیں سکتا یعنی۔ قرآن شریف میں بھی تین موقعوں پر اللہ جل شانہ نے اسی طرح علم الیقین کے موقع پر "رویت" کا لفظ فرمایا ہے۔ اگر وہاں رویت کے معنی علم الیقین کے نہ لیے جائیں تو معنی ہی خبط ہو جائیں۔ اور کسی مفسر نے یہ معنی یعنی دیکھنے کے نہیں لیے ہیں اور کیسے لیں جبکہ معنی ہی خبط ہو جائیں، اب وہ آیتیں ملاحظہ فرمایئے۔

(۱) سورہ والصّٰفّٰت کے دوسرے رکوع کے اول و آخر میں جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ اے پروردگار رَبِّ ہَبْ لِیْ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ یعنی مجھ کو ایک فرزند صالح عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے انھیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام عطا فرمایا۔ اور جب وہ جوان ہوئے ایک دن حضرت ابراہیم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ قَالَ یَا بُنَیَّ اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی" ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میرے بیٹے! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں جیسے تم کو ذبح کر رہا ہوں پس تم بھی ذرا سوچو کہ تمہاری رائے میں کیا آتا ہے۔

اب جائے غور ہے۔ کہ اس آیت میں "فانظر ماذا تری" آیا ہے۔ اب اگر یہاں بقول علماء کلکتہ رویت کے معنی "دیکھنے" کے لیے جائیں تو یہ معنی خبط ہوں گے کہ "پس دیکھو تو کہ کیا دیکھتا ہے تو" اور یہ کسی مفسر نے نہیں لیے۔ اور لے تو کیونکر جب کہ معنی ہی سرے سے "خبط" ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے استصواب رائے فرماتے تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ پس دیکھو تو کہ کیا دیکھتا ہے تو" یعنی چہ؟ "پس اس آیت میں بھی وہی رویت"

کے مجازی "معنی لیے گئے ہیں۔ فافہم۔

(۲) سورہ "فجر" کے پہلے رکوع میں ہے۔

"اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ" ترجمہ:۔ اے میرے حبیب! کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے قوم "عاد" کے ساتھ کیا کیا (وہ) ارم صاحب ستون کے ایسے تھے کہ جس کے مانند کسی شہر میں ہم نے پیدا نہیں کیے۔

اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے علم الیقین کے موقع میں وہی "رای" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے کَمَا مَرَّ

(۳) سورۂ "فیل" میں ارشاد ہوتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ○ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ○ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ کَعَصْفٍ مَّاْکُوْلٍ ○

ترجمہ:۔ اے میرے حبیب گنہگاروں کے طبیب! کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں ہے کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، کیا اس نے ان کے تمام فریب نہیں توڑے ہیں؟ بیشک توڑے اور ان پر غول در غول پرندے بھیجے جو ان پر کنکریاں (ہلاک کرنے والی) پھینکتے تھے اور ان کو کھائے ہوئے بھس کی مانند کر دیا۔

ناظرین۔ ملاحظہ فرمائیں کہ اس سورہ میں بھی اللہ جل شانہ نے "ترَ" ارشاد کیا ہے جس کے معنی یہ ہونا چاہئے کہ "کیا نہیں دیکھا تو نے" واقعہ اصحاب فیل کا۔ حالانکہ جناب رسول اکرم ﷺ تو اس واقعے کو دیکھے نہیں ہوئے تھے۔ اور نہ دیکھ سکتے تھے

کیونکہ یہ واقعہ آپ کے کئی سال قبل مکہ معظمہ میں ہو چکا تھا۔ مگر جناب باری نے "رؤیت" کا لفظ ارشاد فرمایا۔ اب ذرا ہمارے مخاطبین " ارشاد فرمائیں کہ یہاں "دیکھنا" کیوں ارشاد ہوا؟ بس یہاں وہی مجازی معنی "علم الیقین" کے ہیں کہ کیا نہیں معلوم تم کو میرے حبیب" کیونکہ " قائل جانتا ہے کہ مجھ پر سامع "کو یقین کامل ہے۔ اس لیے وہ یہاں رؤیت جس کے معنی مجازی علم الیقین کے ہیں استعمال کرتا ہے کما لا یخفیٰ علی المتامل، فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اب ان تینوں آیتوں سے یہ بات متحقق ہو گئی کہ بعض مقام میں "رؤیت" کا حصول علم الیقین" پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔ پس اس حدیث زیر بحث صوموا لرؤیۃ وافطروا لرؤیۃ" میں رؤیت کے یہی معنی محققین نے لیے ہیں اور اسی بنا پر صاف لکھ دیا کہ" لا عبرۃ لاختلاف المطالع وعلیہ الفتوی۔ اور یہ کچھ ہم نے لکھا ہے کچھ ہماری ذاتی رائے نہیں ہے بلکہ اور محققین کی بھی یہی رائے ہے اور اس کے یہی معنی لیے ہیں۔ اگرچہ ہم کو کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں ہے جب کہ نفس بیان صحیح ہے اور قرآن شریف سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ لیکن مزید اطمینان کے لیے ہم لکھے دیتے ہیں۔

کہ کتاب " عیون البصائر" جو ایک معتبر اور مشہور و معروف کتاب ہے اس میں لکھا ہے کہ حدیث "صوموا لرؤیۃ وافطروا لرؤیۃ" میں رؤیت سے مراد "حصول علم بطریق غالب" ہے پھر مثال دی ہے کہ ایک شخص نے اپنی منکوحہ عورت کو بایں الفاظ طلاق دی کہ "ان رایت الھلال فانت طالق" یعنی اگر تو نے چاند دیکھا تو تجھ پر طلاق۔ اب جب چاند رات آئی تو وہ عورت مکان میں چھپ رہی کہ میں چاند نہ دیکھنے پاؤں تاکہ "طلاق" نہ پڑ جائے

کیونکہ طالق نے "رایت الھلال" کی قید لگائی ہے۔ لیکن کسی شخص نے جا کر کہہ دیا کہ بی بی! آپ کہاں بیٹھی ہیں! بی بی صاحب چاند ہو گیا۔ فقہ کہتی ہے کہ طلاق پڑ گئی" کیونکہ " طالق نے رایت الھلال" کی قید لگائی ہے۔ اور جبکہ عورت کو علم الیقین ہو گیا۔ تو اس کے لیے " رؤیت " ہو گئی۔ انتہی ملخصاً۔

(۲) دوسرا جواب محققین نے یہ دیا ہے کہ اس حدیث زیر بحث "صوموا لرؤیۃ الخ" میں بالعموم خطاب ہے۔ رؤیت شرط ہے چاہے مشرق میں ہو یا مغرب میں ہو۔ جہاں پہلے ہو اس پر بشرط خبر معتبر شرعی تمام عمل کریں۔ ہاں اگر رسول کرم روحی فداہ یوں ارشاد فرماتے کہ" صوموا لرؤیۃ بلدۃ وافطروا لرؤیۃ بلدۃ۔ یعنی روزہ رکھو تم اپنے شہر کا چاند دیکھ کر اور اسی طرح افطار کرو تم اپنے شہر کا چاند دیکھ کر۔ تو بلا شبہ ہر ایک شہر کی رؤیت کی اپنے لیے تخصیص ہو جاتی جب عام طور سے ارشاد فرمایا ہے۔ تو تخصیص کیونکر ہو سکتی ہے؟۔

الغرض حدیث زیر بحث میں رؤیت سے دیکھنے کے معنی ہر گز نہیں ہیں اس کے معنی علم الیقین کے ہیں۔ یہ بات قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اور اہل تحقیق کی بھی یہی رائے ہے۔ پس اس حدیث سے ہمارے مخالفین اپنے مسئلے پر استدلال ہرگز نہیں کر سکتے۔ کیونکہ یہ ہمارے لیے دلیل قوی ہے اور ان کے مدعا کے مخالف ہے۔ فالحمد للہ۔

تیسری بحث

اس بارے میں کہ تار کی خبر معتبر ہے یا نہیں۔ اور اس بات کا ثبوت کہ تار کے ذریعے معاملات کے ضمن جو بات متعلق دینیات معلوم ہو وہ عند الفقہا معتبر ہے۔

اب تیسری بحث "تار" کے متعلق ہے اور یہ ایک بڑی معرکۃ الآرا بحث ہے جو کہ

چونکہ طول منظور نہیں ہے۔ اس لیے ہم نہایت اختصار کے ساتھ لکھیں گے، اس بارے میں ہم نے ایک خاص تحریر لکھی ہے جو عنقریب شائع ہوگی فمن شاء التحقیق فلیرجع الیہ۔

بات یہ ہے کہ آجکل تار نے وہ ترقی کی ہے کہ شاذ و نادر ہی کوئی شہر اور قصبہ اس "مفید محکمہ" سے محروم رہا ہو۔ ایک نہیں سیکڑوں "دینی" اور "دنیوی" کام اس پر موقوف ہیں۔ یہ ایک ضروری البحث مسئلہ ہے پس اگر اس پر اعتبار نہ کیا جائے (اور کیونکر نہ کیا جائے) تو تمام کاروبار اُلٹ پلٹ ہو جائیں۔ اس لیے مختصر طور سے اس کے "معتبر" ہونے کا ثبوت پیش کرتا ہوں آجکل بہتیرے ایسے مسئلے ہیں جو زمانے کی ترقی سے پیدا ہوگئے ہیں اور سلف میں مطلقاً نہ تھے اور اس لیے اس کے معتبر ہونے کے بیان سے کتب سلف بالکل خالی ہیں، تو پھر اگر ان پر بحث کی جائے تو کیونکر؟ پس اس کی یہ صورت ہے کہ ان کو اور مسئلوں پر قیاس کرکے اصول فقہ سے چھان بین کرکے نکالا جائے پس اسی طرح یہ تار کا مسئلہ ہے کہ جسے ایجاد ہوئے تھوڑا عرصہ ہوا ہے۔ اس لیے کتب فقہ میں اس کی بحث بالکل نہیں ہے۔ تو اب اس کو کسی اور مسئلے پر قیاس کرنا چاہیے۔ وغیر ازیں چارہ نیست۔

اب اس کو ہم "عقل" اور "شرع" دونوں سے دیکھتے ہیں اور جانچتے ہیں "عقل" تو اس بات کو مانتی ہی نہیں کہ تار میں جس پر آج تمام ہندوستان بلکہ دنیا کا دار و مدار ہے "غلطی" کا احتمال ہو یا جعل کا خوف ہو۔ کیونکہ اگر غلطی اور جعل کا احتمال ہو تو اتنا کاروبار اس کے اشارے پر کیونکر چلے۔ اگر تار میں لکھا ہو کہ فلاں مر گیا تو آپ اعتبار کر لیتے ہیں، کہ بیشک مر گیا، اگر اس میں لکھا ہو کہ فلاں

لڑکا پیدا ہوا تو آپ مان لیتے ہیں۔ اگر لکھا ہو کہ فلاں کی شادی ہوئی چہاں مہوا چنیں ہوا تو اس پر آپ عمل درآمد فرماتے ہیں۔ وقس علیٰ ھٰذا پس جب ان تمام باتوں میں اعتبار کر لیا جاتا ہے اور سر مو فرق نہیں ہوتا اور پھر اس کی اور خبریں کیوں ناقابل اعتبار ہوں؟ اور کس طور سے اس پر غلطی کا احتمال ہو؟ جب کہ آج تک کبھی غلطی واقع نہیں ہوئی۔ تو عقل کے اقتضا سے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔

باقی رہی "شرع" تو اس پر صرف ..... یہی اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ خبر کفار کے ذریعے سے آتی ہے۔ اور کفار کی ایسی خبروں میں اعتبار نہیں۔ تو اس کا جواب باصواب یہ ہے کہ:۔

بیشک عبادات میں کفار کا قول معتبر نہیں لیکن معاملات میں معتبر ہے اور یہ تمام کتب فقہ میں مسطور ہے۔ پس اگر معاملات کے ضمن میں کوئی بات متعلق عبادات واقع ہو۔ تو وہ بلاشک معتبر ہے۔ یہ مسئلہ کسی قدر مثال طلب ہے اس لیے ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کا ایک نوکر کافر ہے اور چونکہ معاملات میں کافر کا قول معتبر ہے اس مسلمان آقا نے اس نوکر کافر کو کچھ پیسے دیے کہ بازار سے گوشت لا دے۔ جب وہ گوشت خرید کر واپس آیا تو اس نے اپنے مسلمان آقا سے کہا کہ "اشتریت من مسلم" یعنی یہ گوشت میں نے ایک مسلمان سے خریدا ہے اب یہ قول اس کا معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے مسلمان نے معتبر سمجھا۔ لیکن اس کے ضمن میں یہ بات ثابت ہوگی کہ اس نے جب مسلمان سے یہ گوشت خریدا ہے تو لامحالہ اس نے بالتسمیہ ذبح کیا ہوگا پس یہ بات جو ضمناً معلوم ہوئی ہے۔ عبادات سے تعلق رکھتی ہے مگر بوجہ ضمناً واقع ہونے کے معاملات میں داخل کرکے اس کو معتبر کیا گیا ہے اور شرع

اجازت دیتی ہے کہ وہ گوشت خرید کردہ کا فرمزے سے کھاؤ حلال اور طیب ہے؟
اس سلسلے کی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ "تار" معاملات سے تعلق رکھتی ہے۔
اور اس لیے معتبر ہے۔ اور چونکہ اس کے ضمن میں ہم کو یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ
فلاں شہر یا قصبہ میں رویت ہوئی ہے تو اس کو ضرور بالضرور معتبر سمجھنا چاہیے
کیونکہ وہ معاملات کے ضمن میں واقع ہوئی ہے فافہم۔

تتمہ

حضرات ناظرین! ہمارے مخالفین علماء کلکتہ جو آج کل مخالفت کے
ڈنکے بجا رہے ہیں۔ ہماری مخالفت سے قبل خود ہمارے موافق تھے اور درالمختار،
عالمگیری وغیرہ کی بنا پر صاف اس بارے میں فتوی دے چکے ہیں چونکہ مرقاۃ کو
حضرت مولانا کی مخالفت منظور تھی، مخالفت کا اعلان کر بیٹھے، چنانچہ سرگروہ
مخالفین جناب قاضی حافظ عبدالشکور صاحب مرحیا ٹانڈوی اپنے رسالہ
"تابہ ذوالمنن و طفیل رسول زمن" کے آخر میں جو غالباً جناب مولوی قادر علی صاحب
کے رد میں لکھا گیا ہے ایک فتوی تحریر فرماتے ہیں جو آجکل ہمارے موافق ہے۔
اسے دیکھ کر تعجب آتا ہے ہم اس فتوی فارسی کو یہاں پر مع ترجمہ درج کرتے ہیں۔
نقل کالاصل۔

استفتاء رویت ہلال رمضان۔ چہ میفرمایند علماء دین متین و مفتیان
شرع مبین اندریں صورت مثلاً در کلکتہ بتاریخ بست و نہم شعبان المعظم رویت
ہلال رمضان المکرم نگشت و در شہر دہلی شد پس بعد از ادار شروط شہادت رویت
ہلال از اصحاب دہلی برار باب کلکتہ روزہ واجب آید یا نہ چنانچہ مولوی قادر علی

صاحب در وعظ خود فرمودہ اند کہ اگر مابین فاصلہ شانزدہ فرسخ باشد کہ ہر فرسخ
سہ کروہ انگریزی است برار باب کلکتہ روزہ واجب نمی شود و اگر از آں اقل باشد
واجب شود بینوا ہذا الاستفسار بتحقیق و بتکرار بلیغ ہم چنیں گفتند۔ بینوا توجروا۔
السائل شیخ کریم بخش۔

الجواب واعظ مرقوم بالا دریں مسئلہ سراپا و خطا بیہودہ و نکرا بیجا
مودہ است و قید شانزدہ فرسخ محض بے اصل "و کلیۃ خلاف کتب فقہ" بیان
کردہ۔ اصح اینست کہ از رویت ہلال اہل مغرب بعد از ادار شروط شہادت
رویت ہلال برار باب مشرق روزہ واجب شود، کما جاء فی فتاوی در
المختار شرح تنویر الابصار یلزم اہل المشرق برویۃ اہل
المغرب الخ وھکذا فی فتاوی عالمگیریہ ولاعبرۃ لاختلاف
المطالع فی ظاہر الروایۃ کما فی فتاوی قاضی خان الخ انتہی
ھکذا احکم الکتاب۔ واللہ اعلم بالصواب۔

المجیب ———
محمد عبدالشکور مرحیا حنفی عفی عنہ — ھوالمصوب

ما اجاب الفاضل الادیب العالم اللبیب مدملامن الکتاب فھو
صحیح بلا ارتیاب من شک فیہ فقد خسر و خاب، واللہ اعلم بالصواب
کتبہ العبد المذنب الراجی الی اللہ محمد امیر عبداللہ غفرہ
اللہ ووفقہ بما یحب و یرضاہ الخ

بگویم من ترا این نکتہ بے عیب — محمد کان عبداللہ لاریب

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی سیدنا محمد وآلہ واصحابہ

والتابعین لہم باحسان یوم الدین۔ وبعد فانی وقفت علی ما اجاب الفاضل الادیب العالم اللبیب دلائلہ ھذہ من الکتاب صحیحہ لا شک فیھا ولا ریب فجزاہ اللہ عنا وعن سائر المسلمین خیر الجزاء ووفقنا وایاہ لاتباع سنۃ خیر الوری محمد صلعم۔ الراقم المذنب الفقیر المعترف بالذنوب والتقصیر محمد ابن جعفر علی المدنی عفی اللہ عنہ۔

الجواب صحیح	الجواب صحیح
والمجیب نجیح کتبہ محمد ہدایت اللہ مدرس	لاریب فیہ، محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	یہ جواب صحیح ہے
کتبہ محمد حسین علی عفی عنہ	لاشک فیہ محمد فتح علی عفی عنہ	محمد رمضان عفی عنہ

اس فارسی فتویٰ کا خلاصہ اردو میں حسب ذیل ہے

ہلال رمضان کے بارے میں استفتاء

علمائے دین اور مفتیان شرع متین اس صورت میں کیا فرماتے ہیں کہ مثلاً ۲۹ شعبان المعظم کو رویت یہاں نہیں ہوئی مگر شہر دہلی میں ہوئی پس جس وقت کہ شہادت معتبر شرعی پہنچ جائے اس وقت اہل کلکتہ پر روزہ واجب ہوا یا نہیں کیونکہ ایک مولوی صاحب اپنے وعظ میں سولہ فرسخ کی قید لگا کر فرماتے ہیں کہ اگر سولہ فرسخ سے فاصلہ کم ہے تو بے شک اہل کلکتہ پر روزہ واجب ہو سکتا ہے ورنہ واجب نہیں ہوتا۔ اور اس بیان کو بڑا زور ہے، آپ جواب بیان فرمائیے اللہ تعالیٰ آپ کو اجر عطا فرمائے گا۔

جواب یہ ہے کہ واعظ صاحب نے اس مسئلے میں بالکل راہ خطا اختیار کی ہے سولہ فرسخ کی قید غلط اور خلاف فقہ ہے۔ بڑی سچی اور صحیح بات یہ ہے کہ مشرق والوں کی رویت ہلال سے مغرب والوں پر اگر شہادت کے شروط ادا ہوں روزہ واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ فتاوی درالمختار میں جو تنویر الابصار کی شرح ہے لکھا ہے، اہل مشرق پر اہل مغرب کی رویت سے روزہ لازم آجاتا ہے اگر ان پر ثابت ہو جائے اور اسی طرح فتاوی عالمگیری میں لکھا ہے کہ اختلاف مطالع کا کچھ اعتبار نہیں ہے مغرب والے اگر چاند دیکھیں تو بشرط شروط خبر معتبر مشرق والوں پر روزہ واجب ہو جاتا ہے اور اسی قول پر فتوی ہے۔

المجیب ——— (جواب دینے والا)

محمد عبد الشکور مرحبا حنفی عفی عنہ

جو جواب کہ جناب عالم فاضل مولوی عبد الشکور صاحب نے دیا ہے، بالکل صحیح ہے اس میں کچھ شک نہیں جو اس میں شک کرے فقط خسر و خاب راقم بندۂ گنہگار محمد مدعو بہ عبد اللہ۔ بعد حمد و نعت واضح ہو کہ جو جواب کہ عالم فاضل مجیب نے دیا ہے وہ بالکل صحیح اور حق ہے، اس میں کچھ شک نہیں اللہ تعالیٰ جواب دینے والے کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ راقم بندہ گنہگار خطا وار محمد ابن جعفر علی عفی عنہ،

جواب صحیح اور حق ہے، جواب صحیح ہے جواب صحیح ہے، جواب صحیح اور حق ہے

محمد عبد الرحمٰن عفی عنہ، محمد ہدایت اللہ مدرس، محمد حسین علی عفی عنہ محمد فتح علی عفی عنہ

یہ جواب صحیح ہے۔

محمد رمضان عفی عنہ۔

اب دیکھیے کہ اس فتوی میں جناب مرحبا صاحب نے صاف لکھ دیا ہے۔ کہ قید شانزدہ فرسخ محض بے اصل و کمال خلاف کتب فقہ ہے اور یہی ہمارا

قول ہے کہ مشرق کا مغرب پر اور مغرب کا مشرق پر اعتبار ہے مگر خدا جانے کیا سبب ہے کہ یہی مولوی مرجا صاحب فی الحال ہمارے مخالف ہو گئے لیکن ہمیں امید قوی ہے کہ وہ جب غور فرمائیں گے تو ضرور اس انوکھے مسئلے سے رجوع فرمائیں گے جیسا کہ اہل حق کا طریقہ رہا ہے۔ اس مسئلے کے منکرین اور مخالفین کے لیے اگرچہ ہم نے کچھ بھی نہیں لکھا اور سوائے غوری اور نافہمی کے کچھ لکھ ہی نہیں سکتے۔ لیکن مکرم مولوی محمد عبداللہ صاحب اس فتوی میں چونکہ تحریر کر چکے ہیں اس لیے ہم نقلاً انھیں کی عبارت لکھے دیتے ہیں "من شك فيه فقد خسر وخاب" اب ہم نے اختصار کے ساتھ تار کے مسئلے کو اور اس کے قبیل اختلاف المطالع کے غیر معتبر ہونے کے مسئلے کو نہایت عمدگی سے ثابت کر دیا ہے جو ایک منصف شخص کے لیے کافی اور شافی ہے۔ اگر ہمارے معزز مخالفین "چشم انصاف سے ملاحظہ فرمائیں گے تو بلاشک اپنے مسئلے سے رجوع فرمائیں گے۔ اور ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا کا وظیفہ ورد زبان کریں گے ورنہ تعصب نفسانیت اور ہٹ دھرمی کے لیے یہ چند سطر تو کیا حقیقت رکھتی ہیں دفتر کے دفتر ناکافی اور غیر شافی ہیں۔ اللھم اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین۔ آمین۔ یارب العٰلمین۔

راقم خادم الطلبہ ابوالکلام آزاد ثبت اللہ علی طریق الامداد وقعہ اللہ نجس الاعتقاد۔ دہلوی۔

(ارمغان آزاد ص ۱۶۴ تا ۱۶۷)

مولانا خیر الدین کے مسلک سے ابوالکلام کا انحراف

ابوالکلام اپنے آبا کے سلسلہ علم و ارشاد کا ذکر کرتے ہوئے اپنی "حق گوئی و حق پرستی اور طریق استقامت و عشق حق میں سر فروشی و جاں سپاری اور مغروران تاج و تخت و بندگان مال و جاہ کے مقابلے میں بے نیازی و سرگرانی" کو اپنے اسلاف کا ورثہ قرار دیتے ہیں۔ (۸۴) لیکن ایک تو اپنے سلسلہ نسب کو قابل فخر گردانے کے حق میں نہیں ہیں اور دوسرے ان کی راہوں کے راہی نہ رہنے کو اعزاز سمجھتے ہیں۔ "تذکرہ" کے آغاز میں لکھتے ہیں کہ "الحمد للہ اس تمام عمر میں جو گزر چکی ہے ایک لمحہ کے لیے بھی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ نسب فروشی کی دکان آراستہ کر کے نقد عزت و شرف کی جستجو کی جائے .... انسان کے لیے معیار شرف جوہر ذاتی اور خود حاصل کردہ علم و عمل ہے نہ کہ اسلاف کی روایات پارینہ اور نسب فروشی کا غرور باطل۔ ہم کو ایسا ہونا چاہیے کہ ہماری نسبت سے ہمارے خاندان کو لوگ پہچانیں نہ کہ اپنی عزت کے لیے خاندان کے شرف رفتہ کے محتاج ہوں۔ ارباب ہمت نے ہمیشہ اپنی راہ خود نکالی ہے اور عظمت و رفعت کی تعمیر صرف اسی سامان سے کی ہے جو خود ان کا بنایا ہوا تھا .... حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطری ترقی اور قدرتی حقوق کے قیام کے لیے نسب و خاندان کے امتیاز باطل سے بڑھ کر اور کوئی روک نہیں ہو سکتی۔ یہی چیز ہے جو انسان کو اس کی ذاتی قوتوں کے استعمال اور ان کے اثرات سے محروم رکھنا چاہتی ہے اور اس خلاف فطرت راہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ ایک شخص کو باوجود عدم استحقاق ذاتی مستحق شرف سمجھا جائے اور دوسرے کو باوجود استحقاق ذاتی محروم کر دیا جائے .... پس الحمد للہ کہ نہ اس کی طلب ہے اور نہ اس پر اعتماد اور نہ ناہوں کے اس فریب عزت اور سراب شرف کی ضرورت۔" (۸۵)

اصل معاملہ ابوالکلام کے نسب پر افتخار کا نہیں بلکہ ان کی راہ سے فرار اور "روایات پارینہ" سے انحراف کا ہے۔ اگر لوگ مولانا خیر الدین اور ان کے بزرگوں کے حوالے سے ابوالکلام کو پہچانتے تو مذہبی تجدّد کا شکار ہونے پر ان کے خلاف بات کرتے۔ ابوالکلام نے آبائی عزت و شرف پر عدم اعتماد اپنی راہ خود نکالنے اور ذاتی قوتوں کو استعمال کرتے ہوئے نیا مذہبی مسلک اختیار کرنے کا استحقاق استعمال کرنے کے لیے کیا ہے۔ اگر یہ مولانا خیر الدین سے اپنی نسبی نسبت پر فخر

کرتے تو وہابیت کے قائل نہ ہوتے کہ ان کے والد نے تو اس موضوع پر دس جلدوں پر مشتمل کتاب "نجم المبین لرجم الشیاطین" لکھ ڈالی تھی۔ اگر یہ اپنے والد کے علم و بصیرت کے قائل رہتے تو انہیں ایمان آباء حضور ﷺ کا قائل ہونا پڑتا کہ والد نے اس موضوع پر ۶۰۷ صفحات کی ایک کتاب لکھی تھی۔ اگر یہ والد کے راستے کو حق سمجھتے تو ہندو مسلم اتحاد کو برحق ثابت کرنے کے لیے قرآن و احادیث کے احکام کو تاویلات کے زور سے "جامع الشواہد" کی صورت نہ دیتے۔ اور کانگریس کے "شو بوائے" کی حیثیت اختیار کرتے ہوئے مسلمانوں کے لیے علیحدہ ملک کے حصول کے خلاف اپنی ساری "ذاتی قوتیں" استعمال نہ کرتے۔

مولانا خیر الدین کا روایت شکن فرزند

خود ابوالکلام نے لکھا۔ "میں نے ہوش سنبھالتے ہی ایسے بزرگوں کو اپنے سامنے پایا جو عقائد و افکار میں اپنا ایک خاص مسلک رکھتے تھے اور اس میں اس درجہ سخت اور بے لچک تھے کہ بال برابر بھی ادھر ادھر ہونا کفر و زندقہ تصور کرتے تھے۔ میں نے بچپن سے اپنے خاندان (۸۶) کی جو روایتیں سنیں وہ بھی سرتاسر اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اور میرا دماغی ورثہ اس تصلب اور جمود سے بوجھل تھا جو چاروں طرف سے قدامت پرستی اور تقلید کی چار دیواری میں گھرا ہوا تھا اور باہر کی مخالف ہواؤں کا وہاں تک گزر ہی نہ تھا۔ والد مرحوم کے علاوہ جن اساتذہ سے تحصیل کا اتفاق ہوا وہ بھی وہی تھے جنہیں والد مرحوم نے پہلے اچھی طرح ٹھونک بجا کر دیکھ لیا تھا کہ ان کے معیار عقائد و فکر پر پورے پورے اتر سکتے ہیں اور یہ معیار اس درجہ تنگ اور سخت تھا کہ ان کے معاصروں میں سے خاص خاص اشخاص ہی کی وہاں تک رسائی ہو سکتی تھی۔ پس ظاہر ہے کہ اس دروازہ سے بھی کسی نئی ہوا کے گزرنے کا امکان نہ تھا۔ جہاں تک زمانے کے فکری انقلابات کا تعلق ہے میرے خاندان کی دنیا وقت کی راہوں سے اس درجہ دور واقع ہوئی تھی کہ ان راہوں کی کوئی صدا وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی تھی اور اس اعتبار سے گویا سو برس پہلے کے ہندوستان میں میں زندگی بسر کر رہا تھا۔ میری سوسائٹی اور اوائل عمر میں گھر کی چار دیواری کے اندر محدود رہی اور گھر کے عزیزوں اور بزرگوں کے علاوہ اگر کوئی دوسرا گروہ ملا بھی تو وہ خاندان کے معتقدوں اور مریدوں کا گروہ تھا .... والد مرحوم کے مریدوں میں ایک بڑی تعداد علماء اور انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص

کی بھی تھی۔ دیوان خانہ میں اکثر ان کا مجمع رہتا مگر یہ پورا مجمع بھی سراسر اسی خاندانی رنگ میں رنگا ہوا تھا۔ کسی دوسرے رنگ کی وہاں جھلک بھی دکھائی نہیں دیتی تھی .... مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ابھی پندرہ برس سے زیادہ عمر نہیں ہوئی تھی کہ طبیعت کا سکون ہلنا شروع ہو گیا تھا اور شک و شبہ کے کانٹے دل میں چبھنے لگے تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جو آوازیں چاروں طرف سنائی دے رہی ہیں ان کے علاوہ بھی کچھ اور ہونا چاہیے اور علم و حقیقت کی دنیا صرف اتنی ہی نہیں ہے جتنی سامنے آ کھڑی ہوئی ہے۔ یہ الجھن عمر کے ساتھ ساتھ برابر بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ چند برسوں کے اندر عقاید و افکار کی وہ تمام بنیادیں جو خاندان، تعلیم اور گردوپیش نے چنی تھیں، یہ یک دفعہ متزلزل ہو گئیں اور پھر وہ وقت آیا کہ اس ہلتی ہوئی دیوار کو خود اپنے ہاتھوں ڈھا کر اس کی جگہ نئی دیواریں چننی پڑیں۔" (۸۷)

مقلّد باپ کا غیر مقلّد بیٹا

۱۲/۱۱ کتوبر ۱۹۲۲ء کی محررہ اس تحریر بصورت مکتوب میں ابوالکلام نے تقلید کے خلاف زور قلم برتا۔ "انسان کی دماغی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی روک اس کے تقلیدی عقاید ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ کیوں مگر بار بار یہی سوال سامنے ابھرنے لگا کہ اعتقاد کی بنیاد علم و نظر پر ہونی چاہیے تقلید اور توارث پر کیوں ہو؟ یہ گویا دیوار کی بنیادی اینٹوں کا ہل جانا تھا۔ کیونکہ موروثی اور روایتی عقاید کی پوری دیوار صرف تقلید ہی کی بنیادوں پر استوار ہوتی ہے۔ جب بنیاد ہل گئی تو پھر دیوار کب کھڑی رہ سکتی تھی۔ کچھ دنوں تک طبیعت کی درماندگیاں سہارا دیتی رہیں لیکن بہت جلد معلوم ہو گیا کہ اب کوئی سہارا بھی اس گرتی ہوئی دیوار کو سنبھال نہیں سکتا۔" (۸۸)

میں یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ "تذکرہ" میں خاندان کے شرف رفتہ کے بجائے اپنی راہ خود نکالنے اور "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ" کی قرآنی آیت کی غلط تعبیر کرنے والے ابوالکلام اصل میں توراث و تقلید کی عمارت کی بیخ کنی کو لفاظی کے پردے میں چھپا رہے تھے۔ وہ دین و مذہب کے حوالے سے اپنے آبا کے مخالف ہو گئے تھے۔ اس لیے آبا سے اپنے تعلق کو چھپانے کے لیے نسب فروشی کے غرور باطل سے بچنے کی بات کر رہے تھے۔ شرفا تو اپنی صلاحیتوں اپنے علم اور اپنی فتوحات کو اپنے والدین کے حسن تربیت کی دین قرار دیا کرتے تھے۔ ابوالکلام اس

دیوار کو دھادینے پر مُصِر نظر آتے ہیں۔

آصف علی لکھتے ہیں کہ ''آپ (ابوالکلام) ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوئے جس کی مذہبی قدامت پسندی ضرب المثل تھی لیکن ان کی فطرتِ آزاد نے پُرانے ڈھرّے پر چلنا گوارانہ کیا اور انھوں نے زندگی کے ہر پہلو کا نئے سرے سے جائزہ لینا شروع کر دیا۔ اس انقلاب ذہنی کی پہلی جھلک ان کی خودنوشتہ سوانح عمری ''تذکرہ'' میں ملتی ہے۔ یہ کتاب انھوں نے تیس برس کی عمر میں اپنی نظر بندی کے ایام میں لکھی تھی۔ اس میں آپ لکھتے ہیں۔ ''میرے لیے ناممکن ہے کہ میں کسی بات پر یقین لے آؤں جب تک میں اسے اپنی عقل کی کسوٹی پر نئے سرے نہ پرکھ لوں۔'' (۸۹)

راہِ خیرالدین کے بجائے راہِ گاندھی

جب ابوالکلام کی فطرتِ آزاد نے پُرانے ڈھرّے کو چھوڑ دیا اور عقاید اور شعائرِ اسلام کو اپنی عقل کے تابع کر دیا تو متحدہ قومیت میں اسلام اور مسلمانوں کے تشخص کو قلم زد کر کے سب کچھ ہندوؤں کے تابع کر دیا۔ کہ عقل تو پھر مفادات کی راہ ہی دکھاتی ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی نے کہا کہ .... ''مسلمانوں کے قومی مفاد کو جس بے حسی بلکہ سنگ دلی سے قربان کرنے کا شرف حضرت ''امام الہند'' (ابوالکلام) کے حصے میں آیا تھا وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکا۔'' (۹۰) ایک صاحب رشید احمد نے اپنے مضمون میں لکھا ''آپ (ابوالکلام) کا وعظ وارشاد حق کے لیے نہیں بلکہ طلب دنیا کے لیے ہو گیا ہے اور خود ان (کانگری امراور ؤسا) کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ گئے اور جس چیز کو کانگری امراور ؤسا کی خوشنودی کا ذریعہ دیکھتے ہیں کہہ دیتے ہیں اور جو ان کی خواہشوں کے مخالف پاتے ہیں ترک کر دیتے ہیں۔'' (۹۱)

اسلام کا پرانا ڈھرّا یا اس کی نئی عقلی اور مفادی تعبیر

جب کوئی شخص راہ راست کو چھوڑ کر عقل کے نام پر مفادات کی راہ اختیار کرتا ہے تو پھر یہ صورت بنتی ہے۔ ''مولانا ابوالکلام آزاد کی کوششوں سے مدرسہ اسلامیہ دسمبر ۱۹۲۰ء میں قائم ہوا جس کے صدر مدرس مولانا حسین احمد مدنی مقرر ہوئے .... رسم افتتاح مسٹر گاندھی نے ادا کی۔ اس موقع پر مسلمانوں کے علاوہ ہندو بھی بڑی تعداد میں موجود تھے۔'' (۹۲)

جس ہندو مسلم اتحاد کے داعی ابوالکلام بنے اس کے لیے یہ مظاہر تو روز مرہ کی حیثیت لے گئے: ''دہلنگن گھاٹ میں نماز جمعہ کے وقت تخمیناً پندرہ سو ہندو مسلمان جامع مسجد میں جمع ہوئے اور تقریر و دعا میں ہندوؤں نے بھی حصہ لیا'' (۹۳) ''مسجد قطب خانساماں (شملہ) میں ۱۵ اراگست ۱۹۲۰ کو ہندو مسلم اتحاد کا متحدہ جلسہ ہوا۔'' (۹۴) محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے مضمون ''فاضل بریلوی کے رفقا کی سیاسی بصیرت'' میں ہے۔ ''گروہ علماء نے مسٹر گاندھی کو جامع مسجد شیخ خیرالدین امرتسر میں لا کر منبر رسول ﷺ پر بٹھایا اور خود اس کے قدموں میں جا بیٹھے اور یہ دعا کی گئی کہ اے اللہ! تو گاندھی کے ذریعے اسلام کی مدد فرما۔'' (۹۵) مولانا ثناء اللہ امرتسری نے اپنے ہفت روزہ ''اہل حدیث'' امرتسر میں لکھا: ''(گاندھی جی) سب سے پہلے جامع مسجد شیخ خیرالدین مرحوم میں گئے جہاں ایام فساد میں مقتولوں کے جنازے پڑھے گئے۔ سنا ہے موصوف نے محراب میں جا کر سجدہ کیا اور خادم مسجد کو گیارہ روپے بغرض خوراک غرباء دیے۔'' (۹۶)

اس قسم کی حرکتوں سے تسلی نہیں ہوئی تو ابوالکلام نے ایک کتاب ''جامع الشواہد فی دخول غیر المسلم فی المساجد'' لکھ ماری جس میں غیر مسلموں کا مسجدوں میں داخل ہونا جائز قرار دیا۔ (۹۷) ہندو مسلم اتحاد جس کے یہ برگ و بار تھے ان متحدہ قومیت کے داعیوں کو یہاں تک لے گیا کہ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے گاندھی کو امام عبداللہ بن مبارک جیسا کہا (۹۸) مولوی ظفر الملک اسحق علی نے قرار دیا کہ ''اگر نبوت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے'' (۹۹) اس پر منشی محبوب عالم مدیر روزنامہ ''پیسہ اخبار'' لاہور میں سخت اداریہ لکھا (۱۰۰) مولانا شوکت علی نے ۳ رجون ۱۹۲۰ء کے جلسے میں کہا ''الٰہ آباد میں ایک ایسا فیصلہ صادر کیا گیا ہے جو ان شاء اللہ تعالیٰ ایثار و رفاقت کی نئی سپرٹ کو ترقی دے گا بلکہ ایک نئے مذہب کو جو ہندو مسلمانوں کا امتیاز موقوف کرتا ہے اور پریاگ یا سنگم کو ایک مقدس علامت بناتا ہے۔'' (۱۰۱) جامعہ ملیہ دہلی میں ڈاکٹر سید محمود (وزیر تعلیم صوبہ بہار) نے فرمایا: ''ہندو اور مسلمان ایک قوم ہیں جو ایک ہی وطن میں رہتی ہے۔ ان کو اپنی قومیت منا کر ایک ایسا مذہب بنا دینا چاہیے جو دونوں کا مشترکہ مذہب ہو۔'' یہی بات ڈاکٹر اشرف نے کہی۔ (۱۰۲)

گاؤ کُشی جسے حضرت مجدد الف ثانی نے ''شعائر اسلام میں سے'' قرار دیا تھا (۱۰۳) کے خلاف ظفر علی خاں، عارف ہسوی، حکیم اجمل خاں، سیٹھ حاجی جان محمد چھوٹانی (۱۰۴) مولانا

عبدالباری فرنگی محلی، ابوالکلام آزاد نے فتوے دیے اور بیان داغے کہ گائے کی قربانی نہ کی جائے۔

(۱۰۵) "ابطال فتویٰ ابوالکلام" میں پروفیسر مولوی حاکم علی نے لکھا: "گائے کی قربانی جو اکبر کے ہندوؤں کے ساتھ ناتا رشتہ کرنے کے اثر کے سبب سے بند ہو گئی تھی اور جس کو حضرت مجدد الف ثانی نے بڑی کوششوں سے جہانگیر کے وقت جاری کرایا تھا کہ ہر ایک امیر نے اپنے دروازہ کے سامنے اپنی اپنی گائے کی قربانی کی تھی اس کو جاری رکھا جائے۔" (۱۰۶)

ابوالکلام کو اپنے والد مولانا خیر الدین اور دیگر آباؤ اعزہ کے مسلک سے اتنی دشمنی تھی کہ انھوں نے ہندو مسلم اتحاد کے فراڈ کو سچ ثابت کرنے کے لیے قرآن مجید کو بھی استعمال کیا۔ اپنی تفسیر میں لکھا: "اس (اسلام) نے صاف صاف لفظوں میں اعلان کر دیا کہ اس کی دعوت کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں کہ تمام مذاہب اپنی مشترکہ اور متفقہ سچائی پر جمع ہو جائیں۔ وہ کہتا ہے تمام مذاہب سچے ہیں۔" (۱۰۷)

مولانا خیر الدین کی تعلیم وتربیت کی تغلیط کے بعد اپنی مفاد پرستانہ عقل کے سہارے ابوالکلام نے اسلام کی جو نئی تعبیر وتشریح کی وہ ہندو لیڈروں کو خوش کرنے کے لیے تھی چنانچہ وہ خوش ہوئے۔ گاندھی نے ۱۹۳۱ء میں جامعہ ملیہ دہلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "مجھے ایک عرصہ سے خیال تھا کہ اسلام ایسا تنگ نظر مذہب نہیں ہو سکتا کہ وہ نجات وسعادت کو اپنے پیروؤں تک ہی محدود رکھے اور سچائیاں صرف اپنے اندر ہی بتلائے۔ لیکن مجھے اس بات کی سند کہیں سے نہ ملتی تھی۔ اب جو مولانا آزاد نے تفسیر شائع کی ہے تو مجھے اپنے اس خیال کی سند مل گئی ہے کہ اسلام تمام مذاہب میں یکساں سچائیوں کا مدعی ہے۔ لہٰذا ہم نے اس تفسیر کے متعلقہ ٹکڑوں کا ہندی میں ترجمہ کر کے عام شائع کرایا ہے۔" (۱۰۸)

۸ دسمبر ۱۹۲۱ء کو گرفتاری کے وقت ابوالکلام نے مسلمانوں کے نام اپنے پیغام میں کہا کہ "اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔ اگر ان میں سے کسی ایک بھائی یا کسی ایک جماعت سے کوئی بات نادانی کی بھی ہو جائے تو اسے بخش دیں اور اپنی جانب سے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے اس مبارک اتفاق کو صدمہ پہنچے۔" (۱۰۹) عقل اور مفادات نے انھیں آباؤ اجداد کی راہوں سے ہٹا کر اس منزل پر پہنچایا کہ "ان (ہندوستان کے ہندوؤں) کے ساتھ بر و احسان اور نیکی اور ہمدردی کرنے سے شریعت ہرگز ہرگز نہیں روکتی۔" (۱۱۰) یہ تو الفاظ تھے ان

کا معنی یہی رہا کہ مسلمان ہندوؤں کے مفادات کے لیے کام کریں اور ان کے تابع مہمل بنے رہیں۔

آزادی کی آزادہ روی اور اس کا نتیجہ

اپنے والد محترم مولانا خیر الدین کی تعلیم وتربیت کو مٹی میں ملا کر ان کے رستے کو چھوڑ کر اپنی عقل کے سہارے ابوالکلام نے اپنے لیے جو راہ متعین کی اس کی خصوصیات میں سے ایک یہ رہی کہ ان کی اخلاقی حیثیت بھی متاثر ہوئی۔ عبدالماجد دریابادی کا کہنا ہے: "(ابوالکلام سے) بظاہر اچھے خوشگوار تعلقات تھے لیکن اندرونی حالات مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا عبدالباری ندوی اور دوسرے ندویوں سے جو معلوم ہوتے رہتے تھے اور جہاں ان کی ذہانت، طباعی، حاضر دماغی اور قوت حافظہ کی مدح وداد میں ہوتے تھے، وہیں ان کی دینی واخلاقی حالت کی طرف سے کچھ اطمینان بخش نہ تھے اور غضب یہ تھا کہ خود مولانا شبلی بھی ان روایتوں کی کھل کر تردید نہیں کرتے تھے۔ راوی یوں بھی فی الجملہ ثقہ ومعتبر ہی تھے۔ اب گویا مہر تصدیق لگ گئی اور اب دل میں وقعت عظمت پیدا ہونے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔" (۱۱۱)

ابوالنصر آہ نے اپنے چھوٹے بھائی ابوالکلام کے خلاف محمد یوسف جعفری رنجور سے کچھ باتیں کیں جن میں انھیں بداعمال، بدمذہب، برگشتہ از خاندان، آوارہ، بُرے لوگوں کی صحبت میں رہنے والا، بدمعاش، دشمن خاندان اور بدنام کنندۂ خاندان وغیرہ کہا۔ اس سلسلے میں ابوالکلام نے جو خط رنجور کو لکھا اس میں کہا۔ "ہاں۔ بھائی صاحب اور عرب صاحب نے جو اصول بدمعاش کے لیے مقرر کیے ہوئے ہیں ان اصول کے موافق میں بیشک بدمعاشوں سے ملتا ہوں۔ مگر جب ان اصولوں کی صحت معرض بحث میں ہے تو پھر میں کیونکر اس امر کو تسلیم کر لوں کہ واقعی وہ علم دوست اشخاص بدمعاش ہیں۔" (۱۱۲)

والد سے مختلف اختیار کردہ رستے کا حاصل

استاذی المکرم ڈاکٹر سید عبداللہ "اقبال اور ابوالکلام کے ذہنی فاصلے" میں لکھتے ہیں کہ "قادیانیوں کے متعلق اقبال کے خیالات سب کو معلوم ہیں مگر ابوالکلام کی کوئی متعین رائے ان کے بارے میں ظاہر نہیں ہوئی۔ قتل مرتد کے مسئلے پر بھی یہی حال ہے۔ غرض اس نوع کے جملہ مسائل میں ابوالکلام کا میلان لبرل اور اقبال کا میلان متشددانہ ہے۔" (۱۱۳)

۲؍اپریل ۱۹۵۶ء کو ڈاکٹر انعام اللہ خاں سالاری چشتی بلوچستان نے ابوالکلام کو لکھا:

"یہ مرزائی آپ کی طرف مختلف معاملات منسوب کرتے رہتے ہیں اور بعض حوالہ جات بھی دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً تذکرۂ وکیل وغیرہ۔ وہ کہتے ہیں: مولانا وفاتِ مسیح کے قائل ہیں۔ کبھی کہتے ہیں: مولانا نے مرزا صاحب کی تعریف کر دی ہے۔ براہ کرم ایسی فیصلہ کن کتاب لکھ دیں کہ پھر بولنے کی جرأت نہ رہے۔" ابوالکلام نے سائل کو جو جواب دیا وہ جتنا مستور ہے حقیقت میں اس سے زیادہ کھلا ہے۔ کہتے ہیں: "وفاتِ مسیح کا ذکر خود قرآن میں ہے۔ مرزا صاحب کی تعریف یا برائی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اس لیے کہ

تو بُرا ہے تو بھلا ہو نہیں سکتا اے ذوقؔ
وہ بُرا خود ہے کہ جو تجھ کو بُرا جانتا ہے (۱۱۴)

عبدالمجید سالک نے "یارانِ کہن" میں ابوالکلام کے ذکر میں لکھا تھا: "مولانا ابوالکلام مرزا صاحب (غلام احمد قادیانی) کے دعویٰ مسیحیت موعود سے تو کوئی سروکار نہ رکھتے تھے لیکن ان کی غیرتِ اسلامی اور حمیتِ دینی کے قدردان ضرور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جن دنوں مولانا امرتسر کے اخبار "وکیل" کی ادارت پر مامور تھے اور مرزا صاحب کا انتقال بھی انھی دنوں ہوا تھا تو مولانا نے مرزا صاحب کی حمایتِ اسلامی پر ایک شاندار شذرہ لکھا۔ امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالے تک گئے۔" "یارانِ کہن" مطبوعاتِ چٹان لمیٹڈ لاہور نے چھاپی تھی۔ کوئی گیارہ برس بعد کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا تو سالک صاحب فوت ہو چکے تھے۔ ناشر نے لکھا ہے کہ سالک صاحب ۲۳؍اپریل ۱۹۵۶ء کے "چٹان" میں اس تحریر کی تردید و تصحیح فرما چکے ہیں۔ اس لیے مولانا غلام رسول مہر نے حسبِ تردید تصحیح فرما دی ہے۔ (۱۱۵)

سچ کا اخفا کب تک؟

اس طرح شورش اور غلام رسول مہر صاحبان نے بزعمِ خویش معاملہ ٹھیک کر دیا لیکن یہ نہیں جانتے تھے کہ سید انیس شاہ جیلانی اس مسئلے پر عبدالمجید سالک کے خطوط شائع کر کے معاملے کو پوری طرح "بگاڑ" چکے ہیں۔ جیلانی نے اپنی کتاب "نوازش نامے" میں اس موضوع پر لکھا

"ہفت روزہ "دعوت" لاہور اسے لے اڑا اور اپنی ۳۱ جنوری ۱۹۵۶ کی اشاعت میں "مسٹر عبدالمجید سالک کی بہتان طرازی" عنوان باندھا اور لکھا......... آئندہ شمارے میں پس منظر یہ پیش کیا گیا کہ "وکیل" کا شذرہ مولانا کے قلم سے نہیں تھا، بٹالہ نہیں گئے۔ شورش سے التجا ہیں (انھیں اس ذریعے نہیں کہ جواب ترکی بہ ترکی ملتا.........) کہ یہ صفحات ہی کتاب میں سے اڑا دو......... دعوت کی تحریک پر مولانا آزاد کے سیکرٹری اجمل خاں کا ایک تردیدی "چٹھا" بھی آ گیا اور چٹان میں شائع بھی ہو گیا۔ ادھر سالک نے بھی از راہِ مروت و رفعِ شر اپنے لکھے پر اصرار نہ ہونے کا اقرار نامہ چھپوا دیا۔ یاروں نے بزعمِ خود میدان مار لیا تھا لیکن سنجیدہ حلقہ سالک اور واقعات کو بخوبی جانتا تھا......... شورش جیسا غالی ابوالکلامی پوری ذمہ داری کے ساتھ ناشر کے فرائض انجام دے تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ جو کچھ سالک کے قلم سے نکلا وہ حقائق کی واضح اور صحیح تصویر ہے......... اور مولانا قادیانیوں کے باب میں آخر وقت تک رواداری ہی برتتے رہے۔ ہاں دکھاوے کے لیے تردید بھی کر دی۔" (۱۱۶)

"نوازش نامے" مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی میں سالک کا ۹ فروری ۱۹۵۶ء کا خط ہے۔ وہ لکھتے ہیں: "میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ بالکل حقیقت ہے۔ وکفیٰ باللّٰہ شہیدا۔ مولانا ابوالکلام آزاد سے بار ہا لوگوں نے استفتا کیا جس کا مقصد یہ تھا کہ وہ مرزا قادیانی کو کافر قرار دیں لیکن انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ مرزا صاحب کافر نہیں، مؤوّل ضرور ہیں۔ اور مؤوّل کو گمراہ کہا جا سکتا ہے، کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ یہ واقعہ ہے کہ مولانا ابوالکلام جب اخبار "وکیل" کے ایڈیٹر تھے اور زیادہ سے زیادہ اٹھارہ بیس سال کے تھے، مرزا غلام احمد کے انتقال پر ان کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے اور انھوں نے مرزا صاحب کے انتقال پر "وکیل" میں ایک تعریفی نوٹ لکھا جس کو مرزائی سیکڑوں دفعہ دہرا چکے ہیں لیکن مولانا نے کبھی اس کی تردید نہیں کی نہ یہ لکھا کہ یہ نوٹ میرے قلم سے نہیں ہے......... میں نے جو کچھ دیکھا، لکھ دیا ہے۔ اس کے غلط یا صحیح ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جواب دہ ہوں۔ (۱۱۷)

۱۳؍فروری ۱۹۵۶ء کو انیس شاہ جیلانی کے نام اپنے دوسرے خط میں عبدالمجید سالک بٹالوی نے لکھا: "مجھے شورش صاحب نے بتایا کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے پرائیویٹ سیکرٹری مولوی اجمل خاں نے دو باتوں کی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ مولانا مرزا غلام احمد کے جنازے کے ساتھ

امرتسر سے بٹالہ تک نہیں گئے تھے اور مرزا صاحب کے انتقال پر جو شذرہ "وکیل" میں چھپا تھا وہ مولانا کا لکھا ہوا نہ تھا بلکہ کوئی صاحب عبدالمجید کپورتھلوی تھے انھوں نے لکھا تھا .... اب میں کیا عرض کروں۔ مرزائیوں نے آج سے ۴۸ سال پہلے بیان کیا تھا کہ مولوی محی الدین احمد آزاد کلکتہ والے جو وکیل کے ایڈیٹر ہیں انھوں نے بے حد ہمدردی کا اظہار کیا اور ہمارے ساتھ امرتسر سے بٹالہ تک گئے جب ہم مرزا صاحب کا جنازہ لے جا رہے تھے۔ اب اگر مولانا نصف صدی کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں تو میرے لیے اس کے سوا کیا چارہ ہے کہ سر تسلیم خم کر دوں۔ شذرہ کو شائع کر کے اس کو مولانا ابوالکلام سے منسوب کیا لیکن اس طویل مدت میں مولانا یا ان کے کسی قریبی نیازمند نے اس کی تردید نہ کی حالانکہ اس وقت تردید کی ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ جب مولانا "وکیل" کے ایڈیٹر تھے تو اس کے ایڈیٹوریل صفحہ کے تمام مندرجات کی ذمہ داری لازماً انھی پر عائد ہوتی ہے۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود مجھے اپنی تحریر پر ہرگز اصرار نہیں۔ مجھے مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ گزشتہ چالیس سال سے جو قلبی و روحانی تعلق ہے وہ مرزا غلام احمد یا احمدیوں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ میں ایک مختصر سا کھلا مکتوب "چٹان" کے ذریعے سے پیش کر رہا ہوں جو غالباً آئندہ ہفتے کے چٹان میں شائع ہو جائے گا۔" (۱۱۸)

۷ مارچ ۱۹۵۶ء کے خط میں مولانا سالک بٹالوی نے مزید لکھا: "آج ربوہ سے مجھے یہ اقتباس موصول ہوا ہے۔ از آئینہ صداقت مرتبہ مفتی محمد صادق صاحب مطبوعہ جولائی ۱۹۰۸ء، نول کشور سٹیم پریس لاہور ص ۱۱۳۔ "مسلمان صاحبان نے بھی ایسا ہی شرافت کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔ مثلاً خواجہ یوسف شاہ ورئیس و آنریری مجسٹریٹ امرتسر، ایڈیٹر اخبار وکیل کلکتہ اور جناب مولانا ابوالکلام آزاد جو ہمدردی کے اظہار میں اسٹیشن تک تشریف لائے .... (وغیرہ)" مجھے یاد تھا کہ مولانا اسٹیشن ہی تک تشریف نہیں لائے بلکہ گاڑی میں بیٹھ کر بٹالہ تک گئے۔ مگر از کم ان کا بہ نیت اظہار ہمدردی اسٹیشن تک تشریف لانا تو مسلم ہو گیا۔ میرا خیال ہے کہ امرتسر سے بٹالہ تک کا سفر بھی کسی نہ کسی ماخذ سے ثابت ہو جائے گا۔" (۱۱۹)

۱۶ اپریل ۱۹۵۶ء کو انھوں نے اپنے ایک اور خط میں جیلانی صاحب کو لکھا .... بہرحال میں تو اب اس بحث میں خاموش ہو چکا ہوں۔ مولویوں اور احمدیوں کو آپس میں بحث کرنے دیجیے۔ اصل معاملہ تو آپ کو لکھ ہی چکا ہوں۔" (۱۲۰)

"تاریخ احمدیت" میں ہے کہ ۵ مئی ۱۹۰۵ء کو ابوالکلام آزاد کے بڑے بھائی ابوالنصر آہ قادیان گئے اور ۲۵ مئی ۱۹۰۵ء کو آزاد قادیان گئے (۱۲۱) سفر قادیان کے متعلق آزاد نے اپنے تاثرات لکھوائے تو بتایا کہ جمعہ کی نماز انھوں نے وہیں پڑھی۔ مولوی عبدالکریم امام تھے۔ مرزا صاحب صف سے آگے مگر امام سے دو انچ پیچھے تنہا کھڑے رہے .... لوگوں نے مجھے پہلی صف میں جگہ دی (۱۲۲)

"نازشِ فرزندانِ تاریخ"

مرزا صاحب کی وفات پر ابوالکلام نے "وکیل" امرتسر میں ایک طویل اداریہ لکھا "وہ شخص وہ بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو .... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لیے اسے امتدادِ زمانہ کے حوالے کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازشِ فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔" (۱۲۳)

تحفظِ ناموسِ رسالت کی ایک تشریح؟

مرزا صاحب کی طرح دوسری "نازشِ فرزندانِ تاریخ" شخصیت ابوالکلام کی رہی کہ وہ بھی دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا گئے۔ ابوالکلام کے والد نے ساری زندگی اپنے آقا حضور ﷺ کی عزت و تکریم میں زبان کھولی اور قلم اٹھایا اور ان "فرزندِ دلبند" نے کتاب "رنگیلا رسول" کے حوالے سے بڑی طول طویل خامہ فرسائی کے بعد جو نتیجہ نکالا اس کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان کے ایک "عزیز طالبِ حق" ہندو نے انھیں لکھا تھا کہ "جمعیت العلما" نے "رنگیلا رسول" لکھنے والے کے قتل کا فتویٰ دیا ہے۔ اس پر ابوالکلام نے جمعیت العلما کی بریت کے لیے کہا۔ "کم سے کم اتنی بات تو ہر شخص کی سمجھ میں آجانی چاہیے کہ برٹش انڈیا میں کوئی شخص یا جماعت اپنے آپ کو گرفتار کرائے بغیر کسی انسان کے قتل کی اعلانیہ ترغیب نہیں دے سکتی۔ اگر جماعت نے یا انجمن نے ایسا اعلان کیا ہوتا تو یہ صریح ایک انسان کے قتل کا اقدام تھا۔" (۱۲۴)

"مولانا" ابوالکلام کتاب "رنگیلا رسول" کی اشاعت کو ناموسِ رسول ﷺ کے خلاف

تسلیم ہی نہیں کرتے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کے ناشر کو غازی علم الدین شہید رحمۃ اللہ علیہ نے
واصل جہنم کیا تھا۔ مولانا خیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے غیرت مند باپ کے یہ ''مولانا'' بیٹے
تحفظ ناموس رسالت کے اس مسئلے کو سمیٹتے ہوئے ''خلاصۂ بحث'' میں لکھتے ہیں: ''یقیناً حکومت اور
قانون وقت کا فرض ہے کہ اس قسم کی دل آزار تحریروں کی اشاعت جائز نہ رکھے اور جائز نکتہ چینی اور
مذہبی دل آزاری میں امتیاز کرے لیکن میں ایک لمحے کے لیے بھی یہ طریق عمل پسند نہیں کر سکتا کہ
مسلمان اپنی طبیعت اس انداز کی بنالیں کہ جہاں کسی ٹٹ پونجیے نے ایک چار ورقی رسالہ چھاپ کر
شائع کر دیا ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک تمام مسلمان شور و واویلا مچانا شروع کر دیں
کہ اسلام کی کشتی غرق ہو گئی اور تحفظ ناموس رسول (ﷺ محمود) کا سوال پیدا ہو گیا۔ نعوذ باللہ۔
اگر چند جاہل اور کور چشم انسانوں کے بکواس کر دینے سے ناموس رسول ﷺ کی حفاظت کا سوال
پیش آسکے۔ یا اسلام اور مسلمانوں کے لیے یہ کوئی مصیبت ہو ایسا سمجھنا اسلام کی عزت و شرف اور
مسلمانوں کی مذہبی خودداری کے اس درجہ خلاف ہے کہ میں نہیں سمجھ سکتا کیونکہ (کہ) ایک مسلمان
اس کا تصور بھی کر سکتا ہے۔ اس قسم کا ایک رسالہ کیا معنی اگر ایک ہزار یا ایک لاکھ رسالے بھی
چھاپ دیے جائیں جب بھی نعوذ باللہ اسلام اور داعی اسلام (ﷺ) کے ناموس کے تحفظ کا کوئی
سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔'' (۱۲۵)

ابوالکلام کے کہنے پر حکومت اور قانون وقت نے ایسی کتابوں کی اشاعت کو تو
''ناجائز'' نہ کیا البتہ غازی علم الدین کو شہید کر دیا۔ ان ''مولانا'' نے جس ہندو عزیز کے سوالنامے
کے جواب میں یہ زندہ رہنے والی تحریر لکھی اس نے ''الصارم المسلول'' کا حوالہ بھی دیا تھا لیکن
ابوالکلام اپنے امام ابن تیمیہ کی اس کتاب کو اپنے اس جواب میں زیر بحث ہی نہیں لائے۔ آج
تحفظ ناموس رسالت کے نام پر اپنی دکانداریاں چمکانے والوں میں کوئی شخص یا جماعت ایسی نہیں
جو اس ضمن میں ابوالکلام کی اس تحریر کے حوالے سے انھیں مطعون کر سکے لیکن مولانا خیر الدین
دہلوی کی روح اپنے اس ناخلف بیٹے کے انکار پر کیسے کیسے نہ تڑپتی ہو گی۔ عقیدت میں غلو کیا کیا
رنگ دکھاتا ہے محولہ بالا عبارت دوبارہ پڑھ کر ابوالکلام کے بارے میں شورش کی رائے دیکھیے:
''(آزاد) عربوں میں ہوتے تو ابن تیمیہ ہوتے ہندوؤں میں ہوتے تو اب تک ان کے بت
پجتے ہوتے لیکن وہ مسلمانوں میں تھے ...... (۱۲۶) بھائی! ابن تیمیہ کی ''الصارم المسلول'' اور

ابوالکلام کی محولہ بالا رائے میں تو بعد المشرقین ہے اور وہ مسلمانوں میں ہوتے ہوئے بھی
ہندوؤں ہی میں رہے اور اسلام کی ہندوانہ اور کافرانہ تعبیر و تشریح میں مصروف رہے۔
ہم نے شروع میں لکھا تھا کہ ابوالکلام نے اپنے والد کے حالات سے مجرمانہ اغماض
برتا ہے۔ اب اس کا سبب قارئین کی سمجھ میں آ گیا ہو گا۔ اپنے آقا حضور ﷺ سے والہانہ محبت
کرنے والے والد کی ایسی اولاد جو والد کے ممدوح ''کائنات کے ممدوح'' سب کائناتوں کے لیے
رحمت بنا کر بھیجے جانے والی ہستی (ﷺ) کے بارے میں ایسے ''سنہری'' خیالات رکھتی ہے وہ
اپنے والد کو کیا سمجھتی ہے۔ ابوالکلام کے خصوصی معتمد اور رفیق کار عبدالرزاق ملیح آبادی نے لکھ ہی
دیا: ''وہ ابوالکلام آزاد جو اپنے والد کے مسلک کو بھی برملا غلط قرار دے چکے تھے۔'' (۱۲۷)

نہر زبیدہ کی مرمت کا ذمہ

مولانا خیر الدین دہلوی کو مکہ کی نہر زبیدہ کی مرمت کا خیال پیدا ہوا جو ملکہ زبیدہ کے نام
پر بنائی گئی تھی۔ چنانچہ ان کی ذاتی کوششوں سے اس کام کے لیے گیارہ لاکھ روپیہ چندہ اکٹھا ہو گیا۔
(۱۲۸) اس کی تفصیل یوں ہے: ''حجاز میں نہر زبیدہ کو حجاج کے ہاتھوں پانی فروخت کرنے کے
لالچ میں بدوؤں نے جگہ جگہ سے توڑ پھوڑ کر ویران کر دیا تھا۔ وہ حجاج کو پانی کا مشکیزہ دو دو ریال
میں فروخت کرتے اور دولت کماتے تھے۔ ایک سال پانی کی نایابی کے باعث ہزاروں آدمی مر
گئے۔ مولانا خیر الدین نے قصر سلطانی کو متوجہ کیا مگر مصر سے دولت عثمانیہ کی جنگ ہو رہی تھی، کوئی
شنوائی نہ ہوئی۔ انھوں (مولانا خیر الدین) نے اپنے طور پر چندہ جمع کر کے نہر کی مرمت کا بیڑا
اٹھایا۔ حاجی عبدالواحد اور حاجی زکریا نے دو لاکھ روپیہ دیا۔ حسن اتفاق سے جدہ میں نواب کلب
علی خاں (رامپور) اور نواب عبدالغنی خان (ڈھاکہ) موجود تھے۔ اول الذکر سے پانچ لاکھ اور
ثانی الذکر سے ایک لاکھ روپیہ لیا۔ ہندوستان سے انجینئر بلوائے۔ تین انگریز اور پانچ ہندوستانی
آئے۔ انگریز جدہ میں ٹھہرے۔ دولت عثمانیہ کو معلوم ہوا تو اس نے بھی دو ترک انجینئر بھیج دیے۔
ادھر چندہ تیز رفتاری سے جمع ہونے لگا۔ عزیز مصر نے بھی ایک معقول رقم بھجوائی۔ ایک روایت
کے مطابق کوئی ۱۲۹ لاکھ روپیہ جمع ہو گیا (یہ آج کے ۱۲۹ لاکھ نہیں)۔ کوئی سات آٹھ لاکھ روپیہ خرچ
ہو چکا تو معلوم ہوا باقی رقم شریف مکہ نے ہضم کر لی ہے۔ نتیجتاً نہر کی درستی (؟) دیرپا نہ ہو سکی۔

مولانا خیرالدین کو دوبار 'تحفۂ حمیدی' ملا۔ اس فنڈ کی روداد مولانا خیرالدین نے بمبئی سے چھپوا کر دولتِ عثمانیہ میں تقسیم کرائی تو شریفِ مکہ مخالف ہوگیا۔ وہ انھیں کسی آزار میں پھانسنا چاہتا تھا لیکن قسمت نے اس سے پہلے ہی اس کی زندگی ختم کردی اور وہ اچانک وفات پاگیا۔'' (۱۲۹)

مولانا خیرالدین کی علالت

مکہ میں ایک حادثہ میں ان کی بائیں ران کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ وہاں تسلی بخش علاج نہیں ہوسکا۔ اس لیے ۱۸۹۸ء میں مع اہل وعیال انھیں ہندوستان آنا پڑا۔ کلکتہ میں بہتر معالج موجود تھے۔ اس لیے انھوں نے وہاں قیام کرکے علاج کروایا۔ ہڈی تو جڑ گئی لیکن قدرے لنگ باقی رہا۔ (۱۳۰)

اہلیہ اور بڑے بیٹے کا انتقال

کلکتہ آنے کے ایک سال بعد ہی انھیں ایک بڑے صدمہ سے دوچار ہونا پڑا۔ ۱۸۹۹ء میں ان کی رفیقۂ حیات نے داغِ مفارقت دیا جو مانک تلہ کے قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں۔ (۱۳۱) ابوالکلام نے لکھا: ''کلکتہ پہنچے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ میری والدہ یکایک سخت بیمار ہوگئیں اور بیماری کے دو ہفتے بعد ان کا انتقال ہوگیا۔ والدہ کا انتقال ایسا نہیں تھا جو والد کو نہایت ملول نہ کرتا۔ بہت غمگین رہے نہایت ملول ہوئے۔ مکہ معظمہ جانے کا ارادہ پھر ہوا لیکن بعض مذہبی بحثوں کے چھڑ جانے اور والدہ کے مزار کے تیار کرنے کے خیال نے رکاوٹ پیدا کردی۔'' (۱۳۲)

مولانا حجاز واپس جانے کے ارادے سے بمبئی گئے۔ لیکن وہاں معتقدین نے کافی دنوں روکے رکھا۔ بہزار دقت وہ مکہ گئے لیکن جلد لوٹ آنا پڑا کیونکہ بمبئی میں تعمیرِ مسجد کی غرض سے قطعۂ اراضی خرید لیا تھا۔ اسی منصوبے کی تکمیل کے لیے جلد لوٹ آئے۔ جب تعمیر کا کام شروع ہوگیا تو خیال تھا کہ یہ ذمہ داری اپنے بڑے بیٹے ابوالنصر غلام یٰسین آہ کو سونپ کر خود حجاز چلے جائیں۔ ان کی طبیعت پر عہدِ شباب کی لاابالی اور وارفتگی طاری تھی۔ وہ سفر بلادِ اسلامیہ پر چلے گئے اور مسجد کی تعمیر کی نگرانی مولانا خیرالدین کو کرنی پڑی۔ ابھی وہ اس کام سے فارغ ہی ہوئے تھے کہ ابوالنصر غلام یٰسین سخت مہلک مرض کی حالت میں واپس آئے۔ بمبئی میں علاج ہوا لیکن مفید ثابت

نہ ہوا تو کلکتہ لے آئے جہاں انھوں نے ۱۹۰۶ء میں انتقال کیا۔ (۱۳۳)

مولانا خیرالدین کی وفات

ابوالنصر کی جواں مرگی نے مولانا خیرالدین کو نیم جاں کردیا۔ بیمار پڑ گئے اور ۱۷ رجب ۱۳۲۶ھ بمطابق ۱۵ اگست ۱۹۰۸ء، بعمر ۷۷ سال انتقال فرمایا اور مانک تلہ کے قبرستان میں اپنی اہلیہ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ان کے مرید ہر سال ۱۷ رجب کو ان کا عرس کیا کرتے تھے۔ ۱۹۶۴ء کے بعد بوجوہ یہ سلسلہ باقی نہ رہا۔ (۱۳۴) حمیدہ سلطان نے لکھا کہ قبرستان کے آخری حصے میں مرمریں گنبد کے نیچے حضرت مولانا (ابوالکلام) کی والدہ مرحومہ اور والد حضرت شاہ خیرالدین صاحب کے مزار ہیں۔ حضرت شاہ صاحب کے چار مرید پائینتی سر جھکائے بیٹھے ہیں۔'' (۱۳۵)

تعزیت

پروفیسر سید شفقت رضوی تحریر کرتے ہیں کہ ''ان کے انتقال پر دنیا کے دور دراز حصوں سے تعزیت کے جو پیام آئے ان سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ان کا حلقۂ ارادت کتنی دور دور تک پھیلا ہوا تھا۔ جنوبی افریقہ، ٹرانسوال، زنجبار، سیلون، برما، جاوا، سنگاپور، ہانگ کانگ، حجاز، شام، مسقط وغیرہ، ان تمام مقامات میں جب اطلاع پہنچی تو بعض مقامات پر غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی جیسے حرم کعبہ میں اور بعض میں تعزیت کے جلسے ہوئے جیسے ٹرانسوال میں۔ اور ان کی روداد اس وقت کے تمام اخبارات میں شائع ہوئیں۔ مقامی اینگلو انڈین اخبارات نے اعتراف کیا تھا کہ ان کے جنازے میں جو ہجوم تھا، اس سے ان کے مخفی اثر کا پتا چلتا ہے جس سے لوگ بالکل بےخبر تھے۔'' (۱۳۶)

اولاد

ان کی تین بیٹیاں خدیجہ بیگم (جو جوانی میں انتقال کرگئیں)، فاطمہ بیگم آرزو، حنیفہ بیگم آبرو اور دو بیٹے ابوالنصر غلام یٰسین آہ اور ابوالکلام محی الدین احمد آزاد تھے۔

عادات وخصائل

شورش کاشمیری لکھتے ہیں: ''مولانا آزاد کی روایتوں کے مطابق مرحوم (مولانا خیرالدین) ایک ڈھلے ڈھلائے انسان تھے۔ ان سے وقت لیے بغیر ملنا مشکل تھا۔ عمر بھر کسی امیر

ریس کی تعظیم نہ کی۔ بلکہ متبحر علما و جید اساتذہ کے سوا اور کسی کی تعظیم میں کبھی کھڑے نہ ہوئے۔ امرا کی دعوت کبھی قبول نہ کرتے لیکن غربا کے ہاں ہو آتے۔ جس بات کو حق سمجھتے' وہ بے دریغ کہہ گزرتے۔ جز خوف خدا اور کوئی خوف ان کے بدن اور روح میں نہیں تھا۔ فرماتے' امیروں سے غرور اور غریبوں سے عجز صحیح اور عادلانہ اخلاق ہے۔ طبیعت کے غنی اور ہاتھ کے سخی تھے۔ نفاست پسندی کے شیفتہ تھے۔ عمدہ سے عمدہ لباس پہنتے اور قیمتی سے قیمتی عطر لگاتے۔ آخر عمر میں موتیا بند اتر آیا تھا۔ کئی برس تک ایک ہی آنکھ کام دیتی رہی۔ پھر اس کی بینائی بھی مدھم پڑ گئی۔ سفر میں کتابوں کے دس پندرہ صندوق ساتھ رکھتے۔ کتابوں پر اچھی سے اچھی جلدیں بندھوانے کا بے حد شوق تھا۔ کوئی جلد ناقص بندھ جاتی یا کتاب کاٹنے میں غلطی ہو جاتی تو دوسرا نسخہ منگواتے' خواہ اس میں کتنی ہی رقم اٹھ جاتی۔ عسر ہو کہ یسر' کتابیں خریدنے کا شوق تھا۔ اردو کتابوں سے بالکل رغبت نہ تھی۔ کشمیری شالیں اوڑھنے کے شائق تھے۔ قالین' دریاں' ہاتھی دانت اور صندل کی اشیا خرید خرید کر جمع کرتے۔ یہ گویا ان کی ہابی تھی۔" (۱۳۷)

مولانا خیر الدین شاعر تھے یا نہیں تھے؟

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری "مولانا آزاد کی شاعری" میں رقم طراز ہیں: "مولانا نے اتنی چھوٹی عمر میں شاعری شروع کی اور پھر عمر کو دیکھتے ہوئے شعر بھی اچھے نکالنے لگے۔ شاعر کی حیثیت سے ایک خاص حلقے میں ان کی شہرت اور مشاعروں میں مقبولیت کی وجہ بھی میرے خیال میں اس کم عمری میں اچھے خاصے شعر کہہ لینے کی صلاحیت تھی۔ لیکن کئی لوگ ایسے بھی تھے جو یقین نہ کرتے تھے کہ جو کلام مولانا مشاعروں میں سناتے ہیں' وہ ان کا اپنا ہوتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مولانا کے والد شاعر ہیں' وہ انھیں کہہ دیتے ہوں گے جسے یہ اپنے نام سے مشاعروں میں پڑھ دیتے ہیں۔" (۱۳۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خیر الدین شاعر کے طور پر معروف تھے اور بعض سخن گو و سخن فہم حضرات ابوالکلام کے کلام کو مولانا خیر الدین کا کلام سمجھتے تھے۔ لیکن عبدالوحید خاں نے "نقش آزاد" (۱۳۹) کے حوالے سے ابوالکلام کی طرف سے والد کے شاعر ہونے کی تردید لکھی ہے۔ "ایک دن دکان میں بیٹھا تھا کہ نادر شاہ آ گئے اور مجھ (ابوالکلام) سے کہنے لگے۔

صاحبزادے میاں! آپ کی شاعری کی تو بڑی دھوم ہے لیکن لوگ کہتے ہیں' حضرت مولانا (یعنی والد مرحوم) کا کلام ہوگا۔ میں نے کہا' شاید آپ کو معلوم نہیں کہ حضرت شاعری نہیں کرتے اور اگر انھیں یہ معلوم ہو جائے کہ مجھے یہ خبط ہوا ہے تو سخت ناراض ہوں۔" (۱۴۰)

"ہونہار بروا" تو لڑکپن ہی سے شعر کہہ رہے تھے۔ اس وقت جب ان کے والد بطور شاعر مشہور تھے مگر "ہونہاری" شاید یہ ہے کہ یہ ایسے میں بھی اپنے والد کی شاعری کو نہیں مانتے تھے۔ شاید اس لیے کہ اُن کی شاعری میں وہابیت سوزی کے مضامین کی کثرت ہے۔

مولانا خیر الدین کی نعت گوئی

پروفیسر سید شفقت رضوی نے ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے پی ایچ ڈی کے مقالے سے مولانا خیر الدین کی عربی شاعری کا تذکرہ اور سید نور محمد قادری مرحوم کے شکریے کے ساتھ "حفظ المتین عن اصوص الدین" کی ایک اردو نعت نقل کی ہے۔ (۱۴۱)

ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی کے مقالے "برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری" میں ہے۔ (۱۴۲):

"مولانا خیر الدین کی کتب میں اردو و عربی نثر میں مسائل پر بحث ہے مگر ان میں اردو فارسی اور عربی اشعار کی اس قدر کثرت ہے کہ نثر و نظم پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ اردو شاعری پر مدرسانہ رنگ طاری ہے۔ فارسی قدرے ان اثرات سے پاک ہے مگر عربی شعرا اپنے پورے جلال کے ساتھ موجود ہے۔ ان کتب کے تمام عربی اشعار کو علیحدہ مرتب کیا جائے تو یقیناً ایک عمدہ متوسط حجم کا عربی دیوان تیار ہو سکتا ہے۔ مولانا عجمی شعراء کی طرح تخلص استعمال کرتے ہیں۔ خیوری اور خیر دین کو موقع محل کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

مولانا خیر الدین ایک عالم دین اور مناظر تھے۔ اس لیے ان کی شاعری پر علم کا سایہ اور مناظرانہ روش کا پرتو ہے۔ شعروں میں استدلال اور مخالفانہ نظریات کا رد ان کی شعری خصوصیات میں سے ہے۔ یہ معروضی طرز ادا ہے لیکن چونکہ وہ عقیدت مند طبیعت رکھتے تھے' اس لیے خصائص شماری اور دلائل طرازی میں بھی دل کی بات کہتے ہیں اور ان کا جذبہ بار بار دلائل کو اپنے احاطے میں لے لیتا ہے۔ اس طرح ان کی شاعری ہر دو پہلوؤں پر حاوی ہے۔ پھر یہ بھی پیش نظر

رہے کہ وہ یہ شاعری کسی دیوان شعر کے لیے تصنیف نہیں کر رہے بلکہ ایسی کتابوں میں درج کر رہے ہیں جن کے موضوعات مقرر ہیں۔ اس لیے شعر موضوع کی مناسبت لیے ہوئے ہیں۔ ایسی شاعری پر آورد کا شائبہ ہوا کرتا ہے اور بعض جگہوں پر یہ احساس گھمبیر بھی ہو جاتا ہے مگر عموماً ان کے شعر موضوع کی گرفت میں رہتے ہوئے بھی اپنا ایک وجود رکھتے ہیں اور انہیں بڑی آسانی سے اپنے سیاق سے الگ کر کے مستقل حیثیت دی جا سکتی ہے۔

مولانا کے شعری موضوعات میں حضور اکرم ﷺ کے خاندانی شرف، پیغمبرانہ خصائص اور ذاتی اوصاف کا تذکرہ شامل ہے۔ آنحضرت ﷺ کی تخلیق کائنات میں مرکزی حیثیت اور بے مثل انفرادیت کا ذکر بار بار کیا گیا ہے۔ مثلیث کی نفی، خاندان میں کسی نقص یا کوتاہی کا ازالہ اس پر دلائل سے بعض اوقات جدلیت منہ زور ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں مناظرانہ رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ خصائص نبویہ کے حوالے سے چند شعر ایضاح مقصود کے لیے کفایت کریں گے۔

باعثِ تخلیقِ کائنات:

علیک مدارُ الخلق اذ انتَ قُطبُه　　وانتَ منارُالحق تعلُو و تعدلُ

سرُ الوجود و نکتةُ السحر الذی　　کلُّ الوجود بجودہ یتعلّقُ

و انْتَ لهذا الکون علّةُ کونه　　ولولاکَ ما امتاز الوجودُ بِاکوانِ

آدم علیہ السلام سے قبل نبوت سے سرفرازی:

شمسٌ تقادم قبل أدم طلعُها
ابداً علی أفُقِ البقا لا تغرُبُ

سیّدالبشر:

اللّٰهُ فضّلهُ علی کُلِّ الوَریٰ　　فهُو الحبیبُ و فضْلهُ مشهورُ

و سیّدُ هذا الخلق من نسلِ آدم　　واکرمُ مبعوثٍ الی الانس والجانِ

افضل الانبیاء:

محمدٌ ، المختارُ من هاشمٍ　　افضلِ المرسلین بِلاَ الکلام

خیرُ النبیین الکرام نبیُّنا　　بالنُّور فی العرشِ اسمُه مسطورُ

مرکزِ کائنات و مصدرِ فیوضات:

مرکزِ کائنات و مصدرِ فیوضات:

اِنسانُ عَیْنِ الکَوْنِ مبلغُ سرِّہ　　قطبُ الکمال و غیثُهُ مُتدَفِّقٍ

شمسٌ علی قُطْبِ الکمال مُضِیْئةٌ　　بدرٌ علی فلک العلا سَیْرانُه

الکلُّ فیه و منه کان و عنده　　تفنی الدهُورُ و لم تزل اَزْمانُه

شمائلِ رسول ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے بعض کا حوالہ دیتے ہیں مثلاً

اوفی الوریٰ:

اَوفی الوریٰ ذِمَمًا أسماهُمْ هِمَمًا
أعلاهم کرمًا جلَّتْ مناقبُهُ

نورِ حکمت بحرِ علم:

نورٌ من الحِکَم لا تَخْبُوا سو رِقُهُ
بحرٌ مِنَ العلمِ لاَ تَفْنٰی عجائبُه

کاملُ الخَلق و الخُلق:

هو المُکملُ فی خَلْقٍ و فی خُلُقٍ
زکَتْ حلاهُ کما طابَتْ مناسبُه

الغرض صاحبِ محامدِ لا محدود:

محامدُ المصطفی لاینتهی ابداً
تعْدادها هل یَعُدُّ القطرَ حاسبُهُ

مولانا خیر الدین کی کتاب "درج الدرر البهیة" کا موضوع ہی خاندانی عظمت کا تذکرہ اور اس پر مرتب دلائل پیش کرنا ہے۔ اس لیے خاندانِ رسالت ﷺ کے بارے میں متعدد شعر اس میں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر چند شعر پیش کیے جاتے ہیں۔

تنقّلَ فی اصلاب قومٍ تشرّفوا　　به مثلُ ما للبَدْرِ تلکَ المنازِلُ

محبُوبُنا خیرُ البریّةِ نسبه　　یوم النُّشورِ لِوَاؤُہ مَنشُورُ

خاندان کے تذکرے کے ساتھ ولادت کی عظمت اور پیش گوئیوں کا بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

اصنامُ مکّةَ خرّتْ عندَ مولده　　والنّارُ خامِدَةٌ صارت و تصطرمُ

جاء ت تُبشُرنا الرُّسلُ الکرامُ به　　کالصُّبحِ تبدو تباشیراً کواکبُهُ

درود وسلام کے موضوع پر بھی مولانا کا کثیر کلام موجود ہے۔ اسماء النبی ﷺ کو بھی منظوم کیا ہے مگر انہیں اس ساری کاوش کے باوجود یہ اعتراف ہے کہ ان کا ہدیۂ سلام اور تحفۂ درود ذاتِ بابرکات کی عظمتوں کے لائق نہیں ہے۔ یہ انکسارِ نفس اور نفیٔ ذات کی منزل ہے اس لیے وہ دعا پر اکتفا کرتے ہیں کہ یہ تحفے دربارِ الٰہی ہی سے نازل ہوں تاکہ مقام کی عظمت کے مناسب قرار پائیں۔

صلوٰۃٌ مِنَ الرَّحمٰنِ نَحوَ جَنابِهِ
لِأَنَّ صلواتی لاتَلیقُ لِبابِهِ

مولانا کی شاعری تشبیب کے دلدل کی اسیر نہیں رہی مدح کرتے ہیں اور بلا کسی خارجی تمہید کے ثناخوانی شروع کردیتے ہیں۔ حبِ رسول ﷺ ان کے قلب ونظر کا سرمایہ ہے اس لیے ایک لمحہ بھی نظر سے اوجھل نہیں ہے۔

جمالُکَ فی عینی وذِکرُکَ فی فَمی
و حُبُّکَ فی قلبی فاینَ تَغیبُ

مدح سرائی اور نعت خوانی کا نتیجہ طلب کی صورت میں نکلتا ہے۔ خصائص وفضائل کا جہانِ معنی آباد کر کے کرم کی بھیک مانگی جاتی ہے۔ مولانا کا تو انداز ہی خود سپردگی اور درماں طلبی کا ہے۔ اس لیے ان کی شاعری کا بیشتر حصہ شفاعت طلبی اور دادخواہی کے حوالے سے مرتب ہوا ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں۔

یا رحمۃً للعالمین بأسرِها — و امانُها من شِدَّۃٍ وَرَخاءِ
فَخُذ باللُّطفِ لا تهجُرْ خَیوری — طَریحًا فی التَّواقعِ والصَّوادی
مَنْ لی سِواکَ اذ أُدرِجتُ فی کَفَنی — و مَنْ أنیسی اِذا أُفرِدتُ مِنْ خَوَلی
فلیسَ لنا یومَ المعادِ ذخیرۃٌ — بِلا وجهِکَ المیمونِ خیرِ الذخائرِ
أَرْجوکَ یاغوثَ الانامِ فَلاتَدَعْ — بابَ الرِّضا دُونی یُسَدُّ وَ یُغلَقُ
وَسیلَتی العُظمٰی شفاعتُکَ الَّتی — یَلوذُ بِها عیسٰی و موسٰی ابنُ عِمرانِ

مولانا مدحیہ شاعری کے پورے لوازمات سے باخبر ہیں اور انہیں ان کی ترتیب اور پیشکش کا سلیقہ بھی حاصل ہے۔ عرب ماحول اور عرب معاشرت میں اقامت گزین رہنے کی وجہ

سے ان کی عربیت بے داغ ہے صرف ارادی طور پر تجنیس اور چند عجمی حوالے لائے گئے ہیں کہ کلام کے مخاطب برصغیر کے مسلمان تھے مثلاً رطب اللسانی کا ذکر کرتے ہوئے قُمری اور ہزار کا ذکر کرتے ہیں۔

صلّٰی علیه اللّٰهُ ماسرتِ الصَّبا — وشَدی الهَزارُ علی الغُصونِ وَغَرَّدا
علیکَ صلاۃُ اللّٰهِ یا خیرَ خَلقِهِ — ما ناحتِ القُمرِیُّ بِالصدقِ والوَفا

تجنیس پسندی سے برصغیر کی فضا مکدر تھی۔ مولانا نے اپنے دامن کو بچائے رکھا مگر پھر بھی کہیں کہیں، ماحول کا اثر آہی گیا۔

و سِرُّ السِّرِّ انتَ لِکُلِّ سِرٍّ
و نُورُ النُّورِ یا نورَ الفؤادِ

مختصر یہ کہ مولانا خیرالدین عربی زبان کے پختہ کار شاعر اور شعری محاسن ومعایب سے مکمل طور پر آگاہی رکھنے والے ادیب تھے۔ ان کی شاعری میں بلا کی روانی ہے۔ اسلوبِ کلام میں کہیں الجھاؤ نہیں۔ تعقیدِ لفظی ومعنوی سے پاک کلام اس معیار کا ہے کہ اس پر بھرپور توجہ دی جائے تاکہ عربی ادب کا طالب علم ایسے باکمال شاعر سے کماحقہٗ آگاہ ہو سکے۔"

خیوری کی ایک اردو نعت کے چند اشعار

مولانا خیرالدین خیوری دہلوی کے کلام میں عربی فارسی کی کثرت ہے۔ قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مولانا اُردو کی کتابیں پڑھتے بھی نہیں تھے عربی اہلِ زبان کی طرح لکھتے اور بولتے تھے فارسی اور دیگر کئی زبانوں پر انہیں عبور تھا۔ اس لیے ان کی اردو شاعری میں عربی اور فارسی تراکیب ہی نہیں کہیں کہیں وہ فارسی یا عربی ہی کو ذریعۂ ابلاغ بنا لیتے ہیں۔ "حفظ المتین" میں مولانا کی اُردو نعت ۲۲ اشعار پر مشتمل ہے اس کے نو اشعار سید شفقت رضوی کی کتاب سے ہی ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:

اے شاہِ رُسل وے سیدِ کل کس نے تجھے رب کے سوا جانا
وے اصلِ اجلِ محمود محل اس بندے کو در پہ بٹھا جانا
از روئے ادب بستہ ہے یہ لب ظاہر نہ ہوا اس غم کا سبب

اے بادِ طرب از ملکِ عرب کچھ مجھ کو خبر تو بتا جانا
اے شمسِ ضحیٰ در روز جزا ہمہ اہلِ ثنا تجھ پر ہوں فدا
اے شاہِ بقا دے میرے خدا اس قید فنا سے چھڑا جانا
از فرقتِ غم من خستہ دلم تو ابرِ کرم ساقی امم
معطی نعم من تشنہ لبم مجھے شربتِ وصل پلا جانا
اے صدرِ ولا مقطوعِ قضا مسموعِ دعا از بہرِ خدا
خذ دست مرا من ہدفِ بلا اُس تیرِ بلا کو ہٹا جانا
اے نورِ بصر دے رشکِ قمر از سوزِ جگر سوزاں ہے نظر
از لطفِ نظر کر مجھ پہ گزر اُس نارِ جگر کو بجھا جانا
تو شمعِ رقدم پروانہ دلم پروا نکنم دیوانہ شیم
اے نون و قلم منجی امم پروانہ خدا سے دلا جانا
اے جانِ ورا قرآن لقا تو شانِ خدا شانِ تو بقا
کس سے ہو ادا کچھ تیری ثنا مدح تو خدائے ورا جانا
اے شاہِ شہاں یہ عرض بجاں پیش تو عیاں کچھ دردِ نہاں
مجھ سے ہو بیاں گر ہو فرماں اک بار خیوریؔ تو آجانا

(ایک علمی خاندان۔ص ۳۵)

مولانا کی دوسری کتابوں میں بھی نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔ ان کی دو کتابیں ''السنۃ الضروریہ فی المعارف الخیوریہ'' اور ''خیر الامصار مدینۃ الانصار'' ہمارے سامنے ہیں۔ ان میں موجود کچھ نعتیہ اشعار ہدیۂ قارئین کیے جاتے ہیں۔

''السنۃ الضروریہ'' میں مدحِ مصطفیٰ ﷺ

''السنۃ الضروریہ'' کے سرورق پر مصنف کا نام یوں لکھا ہے۔ ''خادم العارفین تُرابِ اقدام الواصلین محمد خیر الدین صانہ اللّٰہ عن شرّ الحاسدین۔'' دوسرے سرورق پر لکھا ہے ''خادم المصنفین تراب اقدام الفقرا خیر الدین اتاقہ اللّٰہ رحیق

لمحبین۔'' ''اعلانِ خوش برہان'' میں مطبع معدن الرموز مسمّٰی بالکنز واقع شہر کلکتہ محلہ کولوٹولہ مکان نمبر گیارہ درج ہے۔ مالکِ مطبع حافظ الٰہ بخش اور مہتمم تصدق حسین ہیں۔ نیز لکھا ہے کہ یہ رسالہ کلکتہ شہر امرا تلہ لین مکان نمبر ۹ میں غلام یٰسین سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ آخر میں ۲۶ ماہ جمادی الاول ۱۳۱۵ھ تحریر ہے۔ یہ کتاب چھے ضروری سوالوں اور ان کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ساری کتاب مثنوی کی بحر میں ہے۔ صفحہ ۴ پر یہ چھے سوال اور ان کے جواب یوں تحریر ہیں:

سوالِ اول: اے دل! تو کیا ہے؟
جواب: فیضِ نورِ احمدی ﷺ ہے جانِ جاں
قول میں تو ہے وہی فیضِ نہاں

سوالِ دوم: اے دل! تو کہاں سے آیا؟
جواب: قربِ ایزد سے تو آیا پُر حزیں
وطنِ اصلی ہے وہی حق الیقیں

سوالِ سوم: اے دل! تو اپنے ہمراہ کیا لایا؟
جواب: عہدِ تصدیقِ خدا و مصطفیٰ ﷺ
با خوشی لایا تو از قالوا بلیٰ

سوالِ چہارم: دنیا میں تو کس لیے آیا؟
جواب: اس لیے آیا ہے تو فرحت کناں
دردِ دل حاصل کرے از عاشقاں

سوالِ پنجم: دنیا سے تو کہاں لے جائے گا؟
جواب: تحفۂ خوشنودیٔ خیر الوریٰ ﷺ
لے چلے تو پیشِ ذاتِ کبریا

سوالِ ششم: اس جہاں سے تو کہاں جائے گا؟
جواب: طرفِ اصلِ خویش تو ہووے رواں
نورِ احمد ﷺ سے ملے تو شادماں

مولانا خیر الدین خیوریؔ نے رسالے کی ''بسم اللّٰہ'' ان اشعار سے کی:

حمدِ احمد ﷺ بہر محمود قدیم | وصف جن کا بالیقیں خلقِ عظیم
اصل ان کا اصل میں نورِ احد | لَمْ یَلِدْ ہے وہ اَحَد ہے بے عدد
نورِ مطلق ہے وہی نورِ خدا | ہے خدائے خلق وہ بے امترا
وہ اصیلی ہے طفیلی کائنات | فیض اس کے سے ہمہ بالیقینات
معرفت اس ذاتِ یکتا کی ضرور | فرضِ عینی ہے بلا شبہ و فتور
بھی رضا جوئی خیر المرسلیں ﷺ | فرض ہر انسان پر ہے بالیقیں
لیک وہ حاصل نہ ہوئے اہلِ ریش | جز بعرفانِ نفوس و ذاتِ خویش

اس کے بعد "المعجم الکبیر" کے حوالے سے "مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ" کی حدیث نقل کی ہے اور پھر اس کی تشریح میں ۲۵ اشعار لکھے ہیں۔ پہلے چار اشعار یہ ہیں۔

ہے یہ فرمان شفیع المذنبیں ﷺ | نورِ ایزد رحمت للعالمیں ﷺ
ذات اپنی کا جسے عرفان ہو | اس کو عرفانِ خدا ہر آن ہو
جو کہ اپنی ذات سے ماہر ہوا | اس پہ سرِّ احمدی ﷺ ظاہر ہوا
جو نہ ہووے عارفِ ذاتِ حبیب | کور ہے وہ دو جہاں میں بے نصیب

جوابِ اول کی تفصیل کے آغاز میں انھوں نے "الدیلمی" کے حوالے سے "اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنْ نُوْرِیْ" کی حدیث نقل کی ہے اور تشریح میں جو اشعار کہے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

ہے یہ فرمانِ شہِ خیر الانام ﷺ | میں خدا کے نور سے ہوں لاکلام
نور میرے سے ہوئے ہیں مومناں | اہلِ توحیدِ خدائے دو جہاں
پس یہ دل ہے فیضِ نورِ احمدی ﷺ | مستفیضِ سرِّ ذاتِ سرمدی
اصل تیرا نورِ احمد ﷺ اے فہیم | نورِ احمد ﷺ اصل میں نورِ قدیم
جو نہ اس عرفان سے مسعود ہے | اسفل السافل وہی مردود ہے
فیضِ نورِ احمدی ﷺ وہ جانِ جاں | نفسِ انساں ہے وہی سرِّ نہاں
ہے وہی مرآتِ حق فیضِ قدیم | کُنْتُ کَنْزًا کا وہی دُرِّ یتیم
جود و ہمت میں وہ کبریٰ آشکار | جسم سے صغریٰ اگرچہ دل نگار

جب عوالم کا ہوا دل یہ بصیر | تب ہوا یہ حاملِ نورِ بشیر
نورِ احمد ﷺ ہے امانت بے گماں | جس کا ہے قرآن میں اظہر بیاں

اس کے بعد مولانا نے وہ آیت لکھی جس میں اللہ کی امانت کو آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے بجائے انسان کے اٹھانے کی بات کی گئی ہے اور اسے "ظلوماً جھولاً" قرار دیا گیا ہے (۱۴۳) اور اس کی تشریح میں ۲۷ شعر لکھے ہیں۔ ان میں یہ بھی ہیں:

حق تعالیٰ نے طفیلِ مصطفیٰ ﷺ | جب کیا آدمؑ کو پیدا باصفا
پھر تو بخشا خلعتِ جنت کو جاہ | جسمِ آدم سے جو لابد رشکِ ماہ
تاجِ کَرَّمْنَا سے وہ زینت گزیں | تختِ اقدس پہ ہوا صدر نشیں

پھر "لقد کرمنا بنی ادم" والی آیت (۱۴۴) کی شرح میں گیارہ اشعار اور "انی جاعل فی الارض خلیفه" (۱۴۵) کی ذیل میں ۲۲ شعر تحریر کیے۔ ان میں سے آخری شعر یہ ہے:

ان میں نائب بھی وہی سلطان ہے | لاجہت جو لامکانی شان ہے

پھر ایک آیت (۱۴۶) اور ایک حدیثِ قدسی کے حوالے سے اشعار کہے۔ اس کے بعد حدیث "ان اللّٰه خلق ادم علی صورته" (۱۴۷) کی تشریح میں ۲۱ شعر ہیں۔ جن میں سے چند یہ ہیں:

صورتِ رحمان یہ انسان ہے | احسنِ تقویم کی تبیان ہے
شکل اس کی چوں محمد ﷺ آشکار | دونوں صورت سے ہوا یہ برقرار
ہے یہی اہلِ فضیلت نامدار | ہے ملائک پر اسی کا اقتدار
تاجِ کرّمنا سے ہے یہ سرفراز | کیونکہ ہے یہ فیضِ احمد ﷺ اہلِ راز
ہے فرشتوں کا یہی لابد ادیب | عالمِ علمِ خدا از بس لبیب

پس کیا پیدا خدا نے ذی کمال | مظہرِ وصفِ جمالی والجلال
تاکہ ہوں آباد اس سے دو جہاں | دو صفت ایزد کی اس سے ہو عیاں
رتبۂ خیرالوریٰ ﷺ ہو آشکار | ہو عوالم پر اسی کا اقتدار
ایک دولہا ہے وہی جملہ برات | کائنات فرشیات، عرشیات

مولانا خیر الدین خیوری اسی طرح قرآن پاک کی کوئی آیت یا کوئی حدیث پاک بیان کرتے ہیں اور پھر اس کی وضاحت کے لیے اشعار سے کام لیتے ہیں۔ ایک حدیث قدسی کے ضمن میں نعت کے یہ شعر ملتے ہیں۔

دید ان ﷺ کی دید ذاتِ کبریا
کیونکہ ایزد سے نہ وہ ہرگز جدا

احدیت کی ذات وہ بے التباس
فیض نورِ احمدی ﷺ اس کا لباس

تاج ہے میم محمد ﷺ بے گماں
میم احمد ﷺ کا ہے پٹکا درمیاں

خاتمیت کی جو ہے انگشتری
مشتری جس کا خدائے مشتری

صورت احمد ﷺ محمد کا حجاب
حق تعالیٰ نے کیا ہے ارتجات

ہر طرح سے اس کے جو اطوار ہیں
ہیں وہی محبوب حق مختار ہیں

پردۂ مرآت سے ہے آشکار
رائی و مرئی وہی یکتا نگار

فیض نورِ احمدی ﷺ مرآت ہے
رائی و مرئی احد یک ذات ہے

فیض نورِ احمدی ﷺ ذاتِ بشر
ہے یہی عرفان اس کا بے خطر

اے خیوری قول یہ پرنور ہے
میم احمد ﷺ سے احد مستور ہے

"جوابِ دوم" کی تفصیل میں مولانا نے "معجم کبیر" کے حوالے سے "کنت کنزاً مخفیاً" کی حدیث بیان کرتے ہوئے اپنے علم اور موزونیتِ طبع کی جو صورت پیش کی ہے اس کا ایک عکس یوں ہے:

ہے یہ فرمانِ خدائے دو جہاں
کنز مخفی ذات میری تھی نہاں

پس ہوا یہ اقتضائے حبِ ذات
آشکارا میں کروں اپنی صفات

ذات کی جملہ صفت ہو جب عیاں
تب تو ہووے جلوۂ حسن نہاں

پس کیا پیدا خدا نے ایک ذات
ذات اپنی سے زہے عالی صفات

نور اپنے سے کیا اس کا ظہور
وہ ظہور ایزدی ہے بالضرور

جو کہ ہوویں عارفانِ مصطفیٰ ﷺ
صاحبِ لولاک محبوبِ خدا ﷺ

دید میری سے وہ بس سرشار ہوں
دید احمد ﷺ سے زہے مختار ہوں

پس وہ اوّل خلق جو مذکور ہے
نورِ ایزد سے وہ یکتا نور ہے

قرب ایزد سے ہوا وہ جب جدا
تب ہوا وہ مظہر ذاتِ خدا

جوابِ سوم کی تفصیل کا آغاز مولانا نے "قَالُوْا بَلٰی" والی آیت (۱۴۸) اور اس کی تشریح سے کیا ہے۔ چند اشعار دیکھیے:

تب ہوا فرمانِ ربّ العالمیں
جملہ ذرّیاتِ آدم کو چنیں

کیا تمہارا میں نہیں پروردگار
تب کہا "قالوا بلیٰ" سب نے پکار

ہاں ہمارا ہے توئی پروردگار
ہے توئی یکتا مربی آشکار

ہیں تری توحید کے ہم معتقد
لَا شَرِیْکَ لَکَ پہ ہیں ہم معتمد

ذات میں یکتا توئی ہے بے عدد
امر تیرا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ

ہے توئی لاریب اَللّٰهُ الصَّمَدُ
لَمْ یَلِدْ ہے فی الازل ہم فی الابد

ہاں ہوا احمد ﷺ سے پیدا تو ضرور
میم احمد ﷺ سے احد پر ہے ستور

کُف نہیں کوئی تری اے کردگار
ہاں ہوا تجھ سے محمد ﷺ آشکار

احدیت ہے ذات تیری بے گماں
احدیت کے بطن سے احمد ﷺ عیاں

جب کیا یہ عہد سب نے بالیقیں
وحدہٗ ہے ذاتِ ربّ العالمیں

تب ہوا اس عہد پر شاہد خدا
تاکہ ہوں توحیدِ ایزد پر فدا

دار دنیا میں رہیں وہ مستقیم
قلب ان کا حبِ احمد ﷺ میں سلیم

مسلم شریف کی روایت کہ ہر بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے بعد میں ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ نقل کرنے کے بعد خیر الدین خیوری لکھتے ہیں:

جو کہ ہو مولود پیدا از بشر
ہو تولُّد فطرتِ اسلام پر

پھر کریں ماں باپ اپنے دین پر
ان کو نصرانی یہودی اے پسر

جس کا تھا ماں باپ بر دینِ یہود
وہ یہودی ہو گیا اہل جحود

عبدۃ الاصنام کی اولاد جو
وہ ہوا اہل صنم بے گفتگو

جو وہابی خارجی اہل سقر
ان کی بھی اولاد ان کے طور پر

تفصیل جوابِ چہارم میں "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ" (۱۴۹)

کی شرح میں ایسے اشعار بھی ملتے ہیں:

ہے یہی فرمانِ خلاقِ جہاں
میں نہیں پیدا کیا یہ انس و جاں
جن تابعِ انس خلقت میں ضرور
انس میں پیدا ہوئے خیر الانام ﷺ
نورِ حق وہ صاحبِ لولاک ہیں
"کُنْتُ کَنْزًا" کے وہی سرِ نہاں
جب ہوا اس انس میں ان ﷺ کا ظہور
اس کے تابع خلق میں کُل عالمیں
کیونکہ اس میں رحمت للعالمیں ﷺ
ہے یہی قلبِ عوالم بالضرور

بہرِ تعلیم دو فرقہ انس و جاں
ہاں مگر بہرِ عبادت بے گماں
انس کی خاطر ہوا اس کا ظہور
باعثِ جملہ عوالم لاکلام
فیض ان کے سے ہمہ افلاک ہیں
سرّ اُن کے سے ہوا ایزد عیاں
تب تو اصلی خلق ہے انساں ضرور
یہ طفیلی وہ اصلی بالیقیں
پس عوالم سے یہ ہے فاضل تریں
اس کی خاطر جملہ عالم کا ظہور

آگے چل کر "روح البیان" کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ذاتِ انساں کو کیا پیدا خدا
ہو فدا ایزد پہ یہ لیل و نہار
ذاتِ احمد ﷺ ہے جو شمعِ کردگار
تا رضا جوئی احمد ﷺ میں مدام
دید ان کی ہے جو دیدِ ایزدی
خلقِ خلقت سے یہی مقصود ہیں

تا کہ اس کی ذات پہ ہو یہ فدا
عشقِ احمد ﷺ میں کرے جاں کو نثار
اس پہ ہو یہ سوختہ پروانہ وار
جان و دل سے یہ فدا ہو صبح و شام
ذات ان کی ہے جو فیضِ سرمدی
پشتِ آدم میں یہی مسجود ہیں

مولانا نے ایک بار پھر "اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً" کی تفصیل میں ۷۷۔
اشعار کہے ہیں۔ ان میں ایسے اشعار بھی ہیں:

خاکیوں میں ہو عیاں نورِ قدیم
خاکیوں میں ایک ایسا وہ حبیب ﷺ
کنزِ مخفی سے ہوا اس کا ظہور
وہ اصلی، اس سے جملہ نور و نار

جس کی خاکِ پا ہوا عرشِ عظیم
جس کی خاطر تم ہوئے اہلِ نصیب
فیض اس کے سے ہوئے تم اہلِ نور
ہیں طفیلی جملہ عالم آشکار

"وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ" (۱۵۰) کی ذیل میں ۲۱ شعر اور ایک حدیثِ قدسی کے ضمن میں ۲۰ شعر ملتے ہیں۔ حدیثِ قدسی کی شرح دیکھیے:

نالۂ دل جب کرے ظاہر اثیم
آہ و زاری سے کرے جب وہ ندا
ابرِ باراں ہے توئی عالم پناہ
یا مجیری نجّنا من هاویه
رحمة للعلمینی یا غفور
ظلمتِ عصیاں سے ہوں میں پُر حزیں
دستگیر اے دستگیرِ بے کساں

اس سے لرزاں ہوئے بس عرشِ عظیم
یا شفیع المذنبیں یا مصطفیٰ ﷺ
من ز عصیاں خشک سالی چوں گیاہ
نارِ ہجراں جہالت حاویہ
یا حبیبی انت مصباح الصدور
راہ نما یا شفیع المذنبیں ﷺ
انت عونی انت غوثی ہر زماں

جوابِ پنجم کی تفصیل کا آغاز "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" سے کیا گیا ہے۔ (۱۵۱)
اس ضمن میں مدحتِ سرکارِ ہر عالم ﷺ کے ایسے اشعار موجود ہیں:

اس طرح فرمانِ خلاقِ جہاں
یا حبیبی شافعِ جملہ امم
حبِّ ایزد پہ اگر ہو مستقیم
تب تو میرے امر کے ہو تابعیں
پیروی میری، محبت کا کمال
پیروی میری، یقیں اے مومناں
حبِّ احمد ﷺ ہے یقیں حبِّ خدا
پس اگر ہے دعویٰ حبِّ خدا
تب تو وہ قدمینِ احمد ﷺ پہ ضرور
پائے احمد ﷺ پہ نہ ہرگز پا رکھیں
پس وہ ہوں محبوبِ ایزد بے گماں
حق تعالیٰ بخش دے ان کے گناہ
کیونکہ بے شک یکتا وہ غفار ہے

ہے یہ قرآں میں عیاں اے مومناں!
نورِ نوری سرِّ اسرارِ قدم
دعویٰ حبِّ خدا گر ہے سلیم
پیروی میری کرو تم بالیقیں
حبِّ احمد ﷺ عینِ حبِّ ذوالجلال
ہے کمالِ حبِّ ایزد کا نشاں
ہے یقیں، ایمان حبِّ مصطفیٰ ﷺ
منکروں کے دل میں ہر صبح و مسا
صدقِ دل سے سر رکھیں با صد سرور
سر رکھیں اس جائے پہ دل سے جھکیں
معصیت سے پاک ہوں در دو جہاں
وہ امانِ حق میں ہوں شام و پگاہ
سابقِ رحمت سے وہ ستار ہے

ہیں خلیل اللہ خلت سے مدام ∗ سرفراز و مفتخر بین الانام

خاصۂ خلّت سے وہ پُرنور ہیں ∗ خاصۂ محبوبیت سے دور ہیں

خاصۂ محبوبیت با صد وقار ∗ ذاتِ احمد ﷺ پر کیا حق نے نثار

چاکرانِ مصطفیٰ ﷺ کو جو نصیب ∗ انبیاءؑ اس سے نہ فائز اے لبیب

پیروی مصطفیٰ ﷺ سے اے جہاں ∗ ہے رضائے مصطفیٰ ﷺ مقصودِ جاں

ہے رضا ان کی رضائے کردگار ∗ بل رضائے ایزدی ان پہ نثار

ہے رضا خواہ محمد ﷺ خود خدا ∗ کیونکہ احمد ﷺ نور ذاتِ کبریا

پس رضائے شافعِ ہر دو جہاں ∗ ہے یہی مقصود جملہ مومناں

پس رضائے سیدِ خیر الانام ﷺ ∗ دارِ دنیا میں تو کر حاصل مدام

تب تو راضی تجھ سے ہو پروردگار ∗ ہو رضائے ایزدی تجھ پہ نثار

جوابِ ششم (آخری) کی تفصیل کا اجمال "وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى" میں ہے (۱۵۲) اس کی شرح میں ۴۲ شعر ملتے ہیں۔ آغاز کے چار شعر یہ ہیں:

قولِ ایزد بسکہ عالی شان ہے ∗ والضحیٰ سورہ میں بالبرہان ہے

یا حبیبی حامیِ کون و مکاں ∗ سرِّ سرّی شافعِ ہر دو جہاں

جو کہ ہیں جملہ عوالم بے شمار ∗ عرش و فرش و جملہ اہلِ نور و نار

سب ہوئے تجھ سے ہویدا بے گماں ∗ اصلِ جملہ ہے تو ئی مقصودِ جاں

درمیان کے چار اشعار بھی دیکھیے:

جب عوالم تجھ سے ہوویں واصلیں ∗ تب تو پوچھے تجھ سے ربُّ العالمیں

ھل رضیت یا محمد مصطفیٰ ﷺ ∗ مجھ کو ہے منظور بس تیری رضا

جب ہوا یہ عہد تجھ سے آشکار ∗ ہے رضا جوئے محمد ﷺ کردگار

ہر طرح تیری رضا منظور ہے ∗ وہ کروں میں جس سے تو مسرور ہے

مولانا خیر الدین نے اس کے بعد ابنِ عساکر اور علامہ زرقانی کے حوالے سے "لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا" کی حدیثِ قدسی بیان کی ہے اور پھر مدح و ثنائے سرورِ کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ میں یوں تر زباں ہوئے ہیں۔ (۵۶ اشعار میں سے):

حق تعالیٰ نے یہ فرمایا عیاں ∗ یا محمد ﷺ سرِّ سرّی بے گماں

میں کیا پیدا یہ دنیا بالضرور ∗ بھی جو خلقت اس میں اہلِ نار و نور

اس لیے تا میں کروں ان کو مدام ∗ عارفانِ رتبۂ خیر الانام ﷺ

جو کہ تیرے ہیں مراتب بے شمار ∗ ان سے ہوں وہ ماہریں لیل و نہار

گر نہ تیری ذات کا ہوتا ظہور ∗ پھر تو کب ہوتا ظہور نار و نور

جن و انس و سائر اہلِ زمیں ∗ جملہ افلاک و ملکؑ عرشِ بریں

جو سوا ان کے عوالم بے شمار ∗ کچھ نہ ہوتا ان سے ہرگز آشکار

بلکہ میرا بھی نہ ہوتا کچھ ظہور ∗ رب نہ کہتے مجھ کو اہلِ نار و نور

ہے طفیلی جملہ جو شاہ و گدا ∗ ہے وہی شاہ شہاں بے امترا

ابتدا و انتہا کا وہ نشاں ∗ وہ نشانِ بے نشانی بے گماں

کنت کنزاً کا وہی سرِّ نہاں ∗ اس نہاں سے یہ ہوا جملہ عیاں

اس نہاں سے گر نہ ہوتا یہ عیاں ∗ تب عیاں ہوتا نہ خلاقِ جہاں

ہے وہی ایمانِ جملہ عارفیں ∗ عارفانِ صادقانِ واصلیں

اس رضا جوئی سے جو مہجور ہے ∗ وہ منافق حق سے بے شک دور ہے

گرچہ ایماں کا کرے وہ ادّعا ∗ ادّعا سے وہ نہ ہو اہلِ رضا

ہے اسی کا بس رضاجو کردگار ∗ ہے رضائے ایزدی اس پہ نثار

میم سے مستور ہے وہ در جہاں ∗ تاج میمی اس کے سر پہ بے گماں

ہے الف سے دائماً وہ سرفراز ∗ نامِ احمد ﷺ حمدِ ایزد بے نیاز

حمدِ ایزد اس پہ دائم ہے نثار ∗ حامد و محمود وہ یکتا نگار

عاشق و معشوق وہ یکتا قدیم ∗ اس پہ دائم خلعتِ خُلقِ عظیم

کنزِ مخفی ہے وہی نورِ مبیں ∗ احدیت کا سرِّ باطن بالیقیں

ربِّ کریم جل وعلا نے حضور رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی بیعت کو اپنی بیعت فرمایا (۱۵۳) مولانا خیر الدین نیوری دہلوی اس سے یوں مزا لیتے ہیں (ساٹھ اشعار میں

سے پاکو):

رتبۂ خیر الوریٰ ﷺ بے انتہا　　نصِ مذکور جلی سے اے فتا
خود یہ فرماتا ہے خلاقِ جہاں　　یا حبیبی باعثِ کون و مکاں
جو کہ تیرے دست پہ ہووے مرید　　وہ ولی اللہ سے ہوا بے شک رشید
نورِ احمد ﷺ جب ہوا نورِ خدا　　تب دوئی کا اٹھ گیا کُل امتزا
پس یہ ہے فرمانِ خلاقِ انام　　یا حبیبی نورُ نوری لاکلام
جو کہ ظاہر میں ہو تجھ سے فیض یاب　　فیض یاب حق وہی بے ارتیاب

کافی و وافی وہی ہر آن ہے　　حلیہ اس طٰہٰ کا بس قرآن ہے
گر نہ ہو وہ دستگیرِ کائنات　　تب تو کب اس کا بقا ہو در جہات
بود ہم نابود اس سے اے امیں　　جود ہر موجود اس سے بالیقیں
گر نہ ہو امداد اس کی یک زماں　　تب تو ہوں زیر و زبر جملہ جہاں
پس مفیضِ جملہ ہے وہ بالیقیں　　کیونکہ ہے وہ رحمۃ للعالمیں
کب ثنا اس ذات کی امکان ہے　　بعدِ حق یکتا وہ عالی شان ہے

"خاتمۃ الطبع" کے طور پر مولانا نے جو سترہ اشعار کہے ہیں ان میں سے بھی چند حاضر ہیں:

حمدِ ایزد کس زباں سے ہو ادا　　نعمتِ عرفان اس نے کی عطا
معرفتِ احمد ﷺ کی باتصدیقِ جاں　　اس نے کی ہم کو عطا در ہر زماں
صد ہزاراں شکرِ حق با صد صفا　　اس نے بخشی ہم کو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ
جود اس کے سے ہوا ہم کو عطا　　یہ رسالہ دُرِّ عرفاں بے بہا
دُرِّ عرفاں زیبِ تاجِ اصفیا　　مرحبا وہ دُرِّ کنزِ کبریا
یا الٰہی! اس دُرِ عرفان سے　　ہادیٔ ایمان ہم احسان سے
دُرجِ قلبِ مومناں کو بخش نور　　تاکہ اس سے ہوں وہ دائم باسرور
دیدِ احمد ﷺ سے وہ بس سرشار ہوں　　اس دُرِ مختار سے مختار ہوں

"خیر الامصار" میں سرکار ﷺ اور مدینۂ سرکار ﷺ کی منظوم تعریف

"خیر الامصار مدینۃ الانصار" میں شہرِ کرم شہرِ سرکار ﷺ مدینۂ منورہ کی افضلیت ثابت کرنے کے لیے مولانا خیر الدین خیوری نے نثر اور نظم میں قلم اٹھایا ہے۔ نثر میں قافیہ بندی کا اہتمام ہے اور سچ یہ ہے کہ ان کی نثر کسی طرح نظم سے کم شعریت کی حامل نہیں۔ لیکن ہم فی الحال ان کی نظم قارئین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

سرورق پر "لَآ اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ وَاَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِ" (۱۵۴) کے سایے میں کتاب کا نام درج ہیں۔ مصنف شاعر کا نام یوں رقم ہے۔ "از تالیف حصیف و رصین بندۂ مسکین محمد خیر الدین صانہ اللہ عن شر الحاسدین." پیچھے تحریر ہے۔ "در مطبع ہادی المطابع بحسن الاصابع مطبوع گردید." دوسرے سرورق پر طابع کا نام یوں درج ہے: "بتنمیق انیق رشیق الاصابع منشی محمد ہدایت اللہ مالک ہادی المطابع طبع شد" صفحہ ۲۷ پر "اعلانِ خوش بیان" میں مطبع کا پتا بھی ہے مکان نمبر ۱۴۱۔ ہریسن روڈ، کلکتہ۔ کتاب/رسالہ حاصل کرنے کا پتا "غلام یٰسین۔ مکان نمبر ۹۔ امرتلہ لین، کلکتہ شہر" درج ہے۔ قیمت ۱۲ آنے اور سنِ اشاعت ۱۳۱۵ھ ہے۔

ہم مولانا خیر الدین خیوری دہلوی کے یہ اشعار ان کی کتاب سے عکسی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ پہلے بارہ صفحات کے اشعار تو کتاب کا آغاز ہیں۔ اس کے بعد مختلف موقعوں پر نثر کے بعد اشعار دیے گئے ہیں۔ چونکہ ان سب کا موضوع ایک ہی ہے: شہرِ آقا و مولا (علیہ التحیۃ والثنا) کی مدحت اس لیے ہم انھیں الگ الگ نقل کرنے کے بجائے مسلسل پیش کر رہے ہیں:

محمد افضلِ جملہ خلائق — مدینہ ہے بلاد اللہ پہ فائق
محمد معدنِ جملہ حقائق — مدینہ مخزنِ اہلِ دقائق
کیا پیدا خدا نے جو عوالم — ز فوق و تحت دیگر جو آدم
تو افضل اونہین جو نزدِ خدا ہے — وہی مخصوص بہرِ مصطفا ہے
جو اول سب سے افضل اور اجمل — وہ ہے نورِ قدم نزدیک اکمل
تو اوسے اصلِ احمد برملا ہے — احد بے میم فیضِ کبریا ہے
وہ سرِّ کنت کنزاً دلربا ہے — وہ فیضِ احدیت بے امترا ہے
وہ باطن احدیت سے مصطفےٰ ہے — وہی بندہ حقیقت مین خدا ہے
وہی ہے برزخِ کبریٰ بلاریب — اودھر خالق ادھر مخلوق بے عیب
وہ حبُّ اللہ حبیب اللہ بنا ہے — ختم جسپر خدا نے حب کیا ہے
وہ ظلمات توسط سے مبرّا — مجسّم نور شرکت سے مُعرّا

وہی نورِ قدیمی ذاتِ ابدی — وہ افضل سب سے مستغنی و صمدی
وہ اول آخر و ظاہر وہ باطن — وہ ناظر حاضرِ کل المواطن
وہی ہے شاہدِ جملہ خلائق — کہ وہ اُمّی وہی اصلِ حقائق
ہوا ہے اور جو ہو تا قیامت — ز خیر و شر سبھی زلت کرامت
وہ سب اوسپر عیان ہے جیون کفِ دست — کہ ہستی کو اوسکی ذات سے ہست
یہ مضمونِ حدیثِ مصطفا ہے — جو از ابن عمر وہ پر صفا ہے

قد اخرج الطبرانی عن ابن عمر علیہم رضوان اللہ الاکبر انہٗ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و علی آلہ واصحابہ ذوی الحکم ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیہا والی ما ہو کائن فیہا الی یوم القیامۃ کانما انظر الی کفی ہذہ

نہ سایہ اوسکا ہمسایہ خدایا — کہ ظلی مین وہ سایہ ہے سمایا
وہ صفحاتِ کلام اللہ پہ آیا — تو آکر اوسنے یہ معنےٰ بتایا
بشر ہوتا اگر وہ در حقیقت — تو سایہ کیون نہوتا در طریقت
تو وہ عبدِ خدا ہے در شریعت — وہی واللہ خدا ہے در حقیقت
تو افضل اور اجمل کے سزاوار — وہی یکتا وہی ہے جملہ سرشار
جو وہ بلدِ امین شہرِ خدا ہے — تو اوسمین مولدِ خیر الورا ہے
وہ گرچہ شہر ایزد پر لطافت — ولے احمد سے اوسکو ہے شرافت
جو ہین خلعاتِ درگاہِ خداوند — تو اونہین جو کہ افضل اور دلبند
محبت کا وہ خلعت ہے مؤبد — تو وہ مخصوص ہے بہرِ محمد
جو اسما اونہین ہین اسماے افضل — سبھی افضل ہین جو اجمل اور اکمل

محمد اور احمد وہ عیان ہے ۔ وہ از اسرار ایزد بگیان ہے

وہ ہین مخصوص بہر ذات امجد ۔ احد با میم ہے جو نور ایزد

وہ ہے بے میم ہم با میم لاریب ۔ منزہ قید میمی سے نہ کچھ عیب

بنات جملہ عالم مین جو افضل ۔ وہ ہے زہرائے اطہر اور اکمل

وہ لخت سید خیر الورا ہے ۔ ورا مین وہ ورائے اورا ہے

رضا اونکی رضائے کبریا ہے ۔ رضائے مصطفا بے امترا ہے

غضب اونکا کسی پر ہو نظاہر ۔ کہ وہ غضب خدا ہے نزد ماہر

اذیت جسنے ہو خیر النسا کو ۔ تو ہو اوسنے اذیت مصطفا کو

جو ایسی ذات مقبول خدا ہے ۔ تو وہ مخصوص بہر مصطفا ہے

جو ذریات در جملہ عوالم ۔ تو ہین حسنین اونہین ذی مکارم

وہ سردار جوانان جنان ہین ۔ جنان مین سب سے افضل وہ عیان ہین

جو حب اونکی وہی لاریب ایمان ۔ وہی ایمان رضائے خالق جان

وہی ایمان رضائے مصطفا ہے ۔ نہ اوس ایمان سوا ہرگز وفا ہے

اہانت اونکی بس کفر و جفا ہے ۔ یقیناً وہ جفا بر مصطفا ہے

جو اہل بیت کا موذی نہان ہے ۔ وہ ملعون خدائے دو جہان ہے

ہو اونکی شہادت سے جو منکر ۔ شریعت مین وہ ہے لاریب کافر

محبت اونکی ہے انسان ایمان ۔ نہ انسان ہو تو کیا ایمان انسان

تو وہ حسنین جو نور خدا ہین ۔ تو وہ مخصوص بہر مصطفا ہین

علی الاطلاق سیدۃ النسا جو ۔ وہ ہے کبریٰ خدیجہ ذات خوشخو

نسا جملہ جو افضل در جہان ہین ۔ تو فضل اونسے وہ کبریٰ عیان ہین

سلام اللہ سے دائم وہ معظم ۔ کہ وہ مخصوص بہر ذات اعظم

نسائے مصطفا دیگر جو عظمیٰ ۔ فضیلت مین وہ بیشک بعد کبریٰ

وہ ام المومنین ہین در مقامات ۔ کہ وہ ازواج ذات اکمل ہر ذات

وہ جملہ طیبہ از نص اطہر ۔ کہ وہ مخصوص بہر ذات اطہر

جو خلوت تہا سے افضل بیگمان ہے ۔ وہ فوق عرش خلوت لامکان ہے

خلیل اللہ جو ہین وہ قطب توحید ۔ وہ جد انبیا ہین اہل تجرید

سرافیل و دگر میکال و جبریل ۔ ملائک مین جو ہین وہ اہل تہلیل

تو اوس خلوت سے وہ باہر نہ زنہار ۔ نہ اوس دربار مین اونکو ہے بار

کہ اوس خلوت کے اسرار نہانی ۔ مکانی ہے نہ لائق لامکانی

وہ ہین بیشک منزہ از نشانی ۔ کہ سر احدیت سے ہین وہ شانی

وہ سر سر کے اسرار جانی ۔ نہ جانکو اونسے کچھ حاصل نشانی

وہ میم احمدی معدوم اوسجا ۔ محمد بھی محمد سے ہے مبرا

کہ سر احدیت سے جو احد ہے ۔ وہی قائل وہی سامع صمد ہے

نہ اوسجا کام ساجد اور مسجود ۔ نہ اوسجا نام عابد اور معبود

نہ ہین تو کی وہانپر کچھ جدائی ۔ وہی یکتا وہان جسکی خدائی

نہ ابراہیم کی جسجا رسائی ۔ نہ جبرائیل کو اوسجا رسائی

تو کیا اسکے سوا قول بیانی ۔ وہی سبحان ربی لامکانی

بگوش ہوش بشنو راز جانا ۔ نشان بے نشانی سر ادنا

صفت پر ذات جب ہو نور افشان
اوسی دوئی عدد سے لامکان ہین
ملے دو قوس جب اوس لامکان مین
بنا یک دائرہ اوس بے نشان مین
تو سرِ کُنتُ کنزاً جو نہانی
وہ حُبِ ذات یکتا جاودانی
جو آبِ بحر ہو دریا مین زخار
تو دریا سے نہ ہرگز وہ جدا ہے
رہا جب میم پر عرشِ مقدس
ہوا جبکہ احد بہرِ مستنیر
وہی قائل وہی سامع یکے دان
بیانِ لامکان سرِ نہانی

تو ہو جملہ صفت در ذات پنہان
رہا یک بے عدد سرِ نہان مین
تو اَوْ اَدْنیٰ رہا پھر بے نشان مین
تو روئے وصل تب آیا عیان مین
وہ اَحْبَبْتُ سے یکتا نشانی
وہی محبوب اقدس لامکانی
تو ہے وہ بحر واللہ نزدِ ہشیار
تو نورِ حق نہ کیونکر اب خدا ہے
احد کیونکر نہ ہو یکتائے اقدس
تو یکتا وہ سمیعٌ بھی بصیرٌ
وہی رائی وہی مرئی یکے جان
نہ ماہر اوسے جملہ انسانی

نہ جبرائیل پر وہ سر پیدا
حیوری عاشقون پر وہ ہویدا

تو اوس خلوت سے ہے مخصوص طٰہٰ
مراتب مین جو رتبہ بسکہ امجد
علی الاطلاق اوسمین جو مُشَفَّع
وہی اصلی شفیع المذنبین ہین
شفاعت کے جو ہین انواع و اقسام

کہ وہ شرکت سے دائم ہے مُبرّا
وہ ہے کلّی شفاعت نزدِ ایزد
تو اوسکا جو مقالہ ہے وہ تُشَفَّع
طفیلی اونکے دیگر شافعین ہین
تو سب مین وہ اصلی اہلِ انعام

جو در روزِ قیامت شافعین ہین
تو اول سب کے شاہِ مرسلین ہے
تو وہ جملہ شفاعت نزدِ ایزد
سبھی عُظمیٰ جو شفاعت نزدِ غفار
کہ تو زانِ غضب ہو اوسنے مسدود
تو وہ رُتبہ ہُوا مخصوص لاریب
وہ خُلفا جو کہ بعد از انبیا ہین
نبوت کا نہوتا گر ختم کار
تو وہ وزرائے شاہِ دوجہان ہین
خصائص اونکے از قرآن ہویدا
تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ احمد
جو اخوان الصفا در جملہ عالَم
شمار اونکا شمارِ انبیا ہے
مظاہر انبیا کے وہ عیان ہین
علومِ انبیا سے وہ مکرم
اگرچہ وہ طفیلی بیگمان ہین
وہی ہین حاملانِ دینِ اسلام
چہ پروانہ وہ بر شمعِ خدا ہین
وہ جان و مال سے احمد پہ قربان

وہ بارہ قسم جملہ بالیقین ہین
سبھی آخر سب کے وہ نورِ مبین ہے
ہوئی ہے بالاصالہ بہرِ احمد
نہ ہو اونکے سوا دیگر سے زنہار
کرے جملہ خلائق حمدِ محمود
برائے ذاتِ احمد جو کہ بے عیب
صحابہ مین وہ افضل اصفیا ہین
تو ہوتے وہ نبی بین الورا چار
وہ ممدوحانِ خلاقِ جہان ہین
کہ اوس شمعِ خدائی پر وہ شیدا
کہ ورد اونکا محمد یا محمد
تو اصحابِ مکرم سے نہ اکرم
شمار اونکا شمارِ اولیا ہے
مناظر کبریا کے بیگمان ہین
نہین بل اونسے فائق وہ معظم
ولے برتر اصیلونسے عیان ہین
وہی ہین دینِ اسلامی کے اعلام
خدا کے خلق پر وہ سب فدا ہین
کہ صد جان اونکو اوس جانانسے آرن

وہ سب مخصوص یارِ مصطفا ہین
جو در جملہ عوالم اولیا ہین
تو افضل اولیا ے مصطفا ہین
قلوب اونکے چو قلبِ انبیا ہین
اگرچہ وہ طفیلی در مقامات
جو جملہ معجزاتِ انبیا ہین
تو اونسے ہے یہ ولیونکی کرامات
کرامت سے جو منکر اشقیا ہین
جو منکرِ معجزاتِ انبیا ہین
تو جملہ اولیا ے مصطفا جو
تو وہ چون انبیا ہین در مقامات
نبوت کا نہوتا گر ختم کام
وہ مخصوصانِ امت مصطفا ہین
کیا پیدا خدا نے جب اُمم کو
تو کنتم خیر اُمت اونہین افضل
ہوئی نورِ محمد سے یہ پیدا
ہوئین دیگر اُمم پیدا جہان مین
ز نورِ انبیا ے خویش لاریب
تو احمد اور اونہین بالیقین ہے

وہ خاصانِ دیارِ اجتبا ہین
سبھی در جملہ اُمم جو اصفیا ہین
جو اس امت مین جملہ اتقیا ہین
علوم اونکے ز علمِ مصطفا ہین
اصیلون سے وہ برتر در کرامات
ز آدم تا بسیدِ اصفیا ہین
جو اس امت مین وہ عالی مقامات
وہ منکرِ معجزاتِ انبیا ہین
وہ ملعونِ جنابِ کبریا ہین
وہ اس اُمت مین دائم خوب خوشخو
بجاے معجزہ اونکی کرامات
تو ہوتے وہ نبی در دینِ اسلام
وہ اُمت مین سبھی اہلِ وفا ہین
کیا تقسیم پھر اونپر اہم کو
ہوئی برتر اہم سے بیک اکمل
تو چون پروانہ ہے اونپہ شیدا
ز آدم تا بعیسےٰ درمیان مین
حدیثون سے یہی روشن بلاریب
توسط انبیا و مرسلین ہے

نعم جملہ سے فائق و دیدِ یزدان
اُمم بھی انبیا ے پاک اطوار
تو یہ امت اُمم سے جو کہ اکرم
یہ مثلِ انبیا اونسے مکرّم
طفیلی کے طفیلی وہ اُمم ہین
تو یہ اُمت جو افضل بر ملا ہے
عبادت کے لیے جو روز افضل
تو یہ امت ہوئی اونسے مکرّم
وے روزِ دوشنبا اونسے افضل
لیالی مین جو لیلُ القدر افضل
جو لیلِ مولدِ خیر الورا ہے
تو وہ دونو لیالی جو کہ منصوص
مہینو مین جو افضل ماہِ رمضان
وہ دونو ماہ جو مذکور بالا
کتابو نمین جو افضل ہے وہ قرآن
علومو نمین جو افضل علمِ باطن
تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ احمد
نہ ہر دو علم سے مخصوص زنہار
کہ ظاہر اور باطن سے وہ جامع

وہ احمد کے لیے مخصوص ہر آن
طفیلی اونکے ہین در دیدِ غفار
تو بیشک دیدِ ایزد مین مُقدم
کہ تابع ذاتِ احمد ہے یہ ہر دم
کہ اس امت سے وہ پستر اہم ہین
تو یہ مخصوص بہرِ مصطفے ہے
وہ روزِ جمعہ اجمل اور اکمل
طفیلِ صاحبِ خُلقِ معظم
کہ ہے اونمین ظہورِ ذاتِ اجمل
تو افضل اونسے بیشک نزدِ اکمل
کہ رحمت اسمین بس بے انتہا ہے
محمد اور احمد سے وہ مخصوص
تو مولد شہر افضل اونسے ایجان
وہ ہین مخصوص بہرِ شاہِ طاہا
تو وہ مخصوص بہرِ ذاتِ فرقان
کہ وہ چون روح در جملہ مواطن
محمد علم ظاہر سے وہ امجد
کوئی از انبیا نزدیکِ غفار
شریعت بھی حقیقت سے وہ لامع

سوا ذاتِ حبیب اللہ اکبر
کہ علم او سپر ختم اللہ اکبر

وہی دارِ علومِ کبریا ہے
وہی علم علومِ انبیا ہے

وہ سیج بحرِ علمِ پُر صفا ہے
کہ قطرہ اوسکے علمِ انبیا ہے

تو اون علمونسے وارث ہین یہ علما
یہ مثلِ انبیا ہادیِ کُملا

شریعت بھی حقیقت اونپہ ظاہر
نہین جیسے کلیم اللہ ماہر

نہ موسٰے پر علومِ خضر ظاہر
نہ علمِ اولیا سے خضر ماہر

اگرچہ خضر بھی از انبیا ہے
وے ان اولیا پر وہ فدا ہے

علومِ غوثِ ایزد بحرِ زخّار
وے پیدا نہ ساحل اوسکا زنہار

وہ بیشک از علومِ مصطفا ہے
خبر اونکی وہ از سِرِّ خدا ہے

نہووے خضر کو اوسکا رسائی
کہ ہے وہ مرکزِ دورِ خدائی

لدنی علم خضری جو کہ ظاہر
وہ ہے ہر آن ان ولیونپہ ظاہر

یہ خضری مصطفائی مشربان ہین
کہ زیرِ پائے یکشہ گردن نہان ہین

غرض جو چیز افضل ہے جہانمین
مکانمین ہو و یا کہ لامکان مین

وہ سب مخصوص بہرِ مصطفا ہے
کہ وہ لاریب محبوبِ خدا ہے

جو مطلوبِ خدا اونکی رضا ہے
کہ وہ نورِ قدم نورِ خدا ہے

تو کیون کر اب خیوری سے ادا ہو
ثنا اوسکی کہ جسکا حق رضا جو

تو شہرون مین جو افضل سب سے مدینہ
مدینہ معدنِ جسدِ سکینہ

تو وہ مخصوص بہرِ مرقدِ پاک
کہ ہے جسنے ہویدا سِرِّ لولاک

کہ خلقِ خلق سے یکتا وہ مقصود
وہی ساجد وہی ہے ذاتِ مسجود

شفیعِ خلق اوس مرقد مین دائم
وہی روحِ خدا ہے زندہ قائم

وہی روحِ عوالم بالیقین ہے
اوسی سے زندہ یہ کون و مکین ہے

اوسکی خاکپا فرشِ زمین ہے
اوسکے فیض سے عرشِ برین ہے

وہی لاریب ہے ربّ العوالم
مفیضِ فیض بر جملہ اوادم

وہ مرقد افضلِ عرشِ برین ہے
وہ کعبے سے بھی افضل بالیقین ہے

جو ہمسایہ ہے اوسکا وہ مدینہ
مدینے مین وہ مرقد چون نگینہ

تو کیونکر ہونکے سے وہ افضل
کہ وہ لاریب عند اللہ اجل

اگر ہوتا بلاد اللہ مین افضل
مدینے سے کوئی بھی شہر اکمل

تو ہوتا اوسمین لابد مرقدِ پاک
کہ لائق وہ برائے ذاتِ لولاک

تو اب ثابت ہوا نزدیکِ اکمل
مدینہ ہے بلاد اللہ مین افضل

وہ لابد منظرِ ذاتِ خدا ہے
کہ واللہ اوسمین مرقدِ مصطفا ہے

وہ لابد مظہرِ نورِ خدا ہے
خدا کا نور جسمین مصطفا ہے

خدا اوس مصطفا سے کب جدا ہے
کہ وہ اوس مصطفائی سے خدا ہے

خیوری کا جہان یکتا خدا ہے
وہی افضل اوسی پر دل فدا ہے

عقیدہ ہے یہی جو کچھ کہ مذکور
مدینہ سب سے افضل جائے پُر نور

دلیلو نکا نہ اوسمین کچھ گذر ہے
دلیلون پر نہ کچھ میری نظر ہے

کہ لابد یہ محبت کا اثر ہے
کہ کوئے یار افضل بے خطر ہے

کہ وہ جس شہر مین مسند نشین ہے
تو وہ اس دل مین چون نقش نگین ہے

اوسی مین نور ایمان اور دین ہے
یہی ایمان میرا بالیقین ہے

کہ وہ پیش نظر ہر دم عیان ہے
کہ اوسکا مردمک پر بھی مکان ہے

اوسیکے نقش کا یہ دل نگینہ
کہے ہر دم مدینہ با سکینہ

جو گوش ہوش مین اوسکی ندا ہے
تو واللہ دلسے دلبر کب جدا ہے

کبھی مین شرق مین با سینہ بریان
کبھی مین غرب مین با چشم گریان

گہے چون باد در ملک شمالی
جنوبی سو مین چون آب زلالی

پریشان خاطر و حیران پھرون مین
کبھی نالان کبھی چپ ہو رہون مین

شراب خون کباب دل غذا ہے
تن طنبور سے تیری صدا ہے

یہی ہے ورد ہر دم اس زبان سے
یہی ہے درد ہر دم اس جنان سے

کہ ہووے میرا مدفن وہ مدینہ
کہ جسمین آمنہ کا ہے خزینہ

مدینے کی زمین ہووے نہ گر سند
کہ یہ تن اوسمین ہووے ایخداوند

تو صحرائے مدینے کے درندان
کرین اوس لاش کو وہ نقل شادان

تو جسم و جان مدینے پر فدا ہو
تو شجر روضہ پر جانکی سدا ہو

توئی ربی توئی مقصود ایمان
توئی حسبی توئی مسجود ہر آن

تو روز حشر لابد یہ مقالی
اغثنی احمد امدد بحالی

شفیع رسل عند اللہ لاریب
توئی یکتا مشفع ہے بلا عیب

خیوری کو تو واللہ یہ یقین ہے
کہ احمد ہی شفیع المذنبین ہے

من نہ گنجم در زمین و آسمان
بلکہ گنجم در دل بشکستگان

در دل مومن بگنجم اے عجب
گر مرا جوئی دران دلہا طلب

ابلہان تعظیم مسجد میکنند
در جفائے اہل دل جد میکنند

آن مجازست این حقیقت ای خران
نیست قبلہ جز درون سروران

مسجدی کان اندرون اولیاست
سجدہ گاہ جملہ ہست آنجا خداست

کعبہ ہر چندی کہ خانہ بر اوست
خلقت او نیز خانہ سر اوست

چون ورا دیدی خدا را دیدۂ
گرد کعبہ صدق بر گر دیدۂ

خدمت او طاعت و حمد خداست
تا نہ پنداری کہ حق از وی جداست

تا دل مرد خدا نامد بدرد
ہیچ قومی را خدا رسوا نکرد

یہ فرمان خدائے پروردگار
کہ ای باعث خلق ہر نور و نار

قسم مجکو اس شہر کی اے رسول
کہ جسمین کیا تونے لابد حلول

یہ تیرے قدم سے ہوا بس امین
یہ ہے آمنا اوس سے اے نازنین

جو ہے خاک نعلین خیر الورا
قسم کھائے اوسکی خدائے سما

نہ غیرت کا ہرگز یہ ہے اقتضا
کہ دائم قسم کھائے تیری خدا

بعمر حبیبی بر اس حبیب
نہ ہے اسمین تعظیم ایسی نصیب

کہ جس طور با خاک نعلین ہے
کہ نعلین افضل ز کونین ہے

لہذا قسم کھائے رب العلا
بخاک کف پائے خیر الورا

جو قدمین تیرے سے حرمین ہین
وہ دونو جہانمین شریفین ہین

ملا تیرے قدمون سے اونکو نصیب
ہوا کعب کعبہ ز کعبت کعیب

صفا کو دیا تونے صد ہا صفا
بھی تیری مروت سے مروہ ہوا

جو ہے چاہ زمزم مین تیری وہ چاہ
تو وہ چاہ تیری ہے بے اہل جاہ

نہ ہوتا وہان آمنہ کا ظہور
نہ مولد کا ہوتا وہان پر سرور

تو ہرگز نہوتی دعاے خلیل
کہ یہ شہر ہو امنًا اسے جلیل

نہ اوسطرف ہوتا وہ شدِّ رحال
نہ جاتے اوسیطرف لاکھون رجال

نہین بلکہ اوسکا نہوتا نشان
چہ جائیکہ ہو شہر دار الامان

نہوتا مدینہ جو ہجرت کی جا
نہوتا وہان روضۂ مصطفا

تو ہوتا نہ وہ منظرِ کردگار
نہوتے ملائک وہان جان نثار

جو ہے جائے روضہ ز فرشِ زمین
نہوتی وہ افضل ز عرشِ برین

جو ہے خاکِ پاکِ مدینہ حبیب
وہ کاملِ شفا ہے اگر ہو نصیب

وہ کحلُ البصیرت براے ضریر
وہ کحلُ الجواہر براے بصیر

دواے دلِ دردمندان سدا
وہی جملہ آمراض کی ہے شفا

وہ تیرے قدم سے مشرف مکان
کہ ہے لامکانین قدم کا نشان

نہ تجھکو کسی چیز سے افتخار
و لے اوسے جو لامکانین نگار

وہ فرمائے اسطور سے دمبدم
کہ با خاکِ پائے تو مارا قسم

خدا کو اوسی خاکپا کی قسم
حبیبی کو اوسکی قسم دمبدم

نہ ماہر کوئی اسکی اہلِ حکم
یہ کسکی قسم کیا وہ سرِّ قسم

خیوری محمد کی تجکو قسم
ز کشفِ حقیقت تو کر اب رقم

خدا جانے اونکو جو ہین مصطفا
نہ ماہر ہین اوستے وہ سرِّ خدا

محمد حقیقت مین سرِّ قدم
قدم کی قسم ہے یہ سرِّ قسم

وہ کعبہ جو ہے عکسِ خیر الورا
یہی سرّ اوسکا یہ سرِّ خدا

جو ہے دستِ محبوبِ خیر الورا
یدُ اللہ وہی ہے بلا امترا

جو ہے عکس اوسکا وہ بین الانام
کہین حجرِ اسود اوسے خاص و عام

وہ جاے جو ہے مسکنِ مصطفا
وہ کعبے سے افضل بلا امترا

یہ کعبہ خلیلی وہ کعبہ جلیل
وہ ساجد یہ مسجودِ ربِّ الجلیل

کیا اوسکی تعمیر لابد خلیل
کیا اسکی تخمیر بیشک جلیل

قال اللہ تعالیٰ فی حق آدم استفتحا خمرت طینۃ آدم بیدی فی اربعین صباحا ھکذا فی التعبیر

گداے محمد جو در کائنات
وہ کعبے سے افضل بصد بینات

کہا اوسکو بیتی خدا الجبار
کہ ہو پاک بہرِ طوافِ کبار

کہا اوسکو یا عبدی ہفتاد بار
کہ یہ مسکنِ ذاتِ پروردگار

یہی خانۂ سرِّ ابرار ہے
وہی خانہ سرِّ اسرار ہے

یہی خانہ ہے کعبۂ اتقیا
وہی خانہ ہے کعبۂ کبریا

اگرچہ یہ کعبہ مطافِ کبار
و لے اوسکا طائف وہ لیل و نہار

ہمہ حجرِ اسود کو چومین مدام
یہ چومے قدم اوسکا با احترام

وہ قبلہ نما ہے یہ قبلہ ضرور
مطافِ الٰہی وہ سرِّ سرور

جو ہے دیدِ اوسکی وہ دیدِ خدا
خدا دید اوسکی ہے ہو کب جدا

خیوری وہ ہے دیدۂ مصطفا
تو دیدۂ خدا ہے وہ دیدہ خدا

جو ہے شہرِ مکہ مین کعبہ عیان
تو لابد وہ افضل نہ اسمین گمان

مدینے مین ہین جب شفیع الورا
تو افضل وہ لاریب نزدِ خدا

جہان مصطفا ہے وہانپر خدا
جہانپر خدا ہے وہان مصطفا

خدا مصطفےٰ سے نہووے جدا
جدا مجتبےٰ سے نہووے خدا

یہان مصطفا اور خود وہ خدا
وہان کعبہ انکی جو ہے خاکپا

وہ کعبہ جو ہے مظہرِ فیض و جود
تو جودِ محمد سے اوسکا وجود

تو کیونکر نہ افضل ہو شہرِ حبیب
کہ ہے جسنے کعبے کو عزت نصیب

یہ لاریب اظہر دلیلِ مبین
کہ شرف المکان ز شرف المکین

ہوئی شرفِ کعبہ و عرش مین
زپائے حبیبِ شہِ مرسلین

مدینہ جو انگشتری ہے عیان
تو اوسمین نگینہ شہِ دوجہان

معزز نگینے سے انگشتری
جو اہلِ نظر اوسکا ہے مشتری

جو افضل ہمہ چیز نزدِ خدا
جو اوسکے خزانے مین اجل سدا

حبیبِ خدا پر وہ جملہ نثار
کہ وہ افضلِ خلق پروردگار

تو جو سب سے افضل ہی مختار ہے
وہی اوسکو بیشک سزاوار ہے

تو افضل مدینے سے ہوتا اگر
کوئی شہر اے حاذقِ نامور

تو ہوتا وہی مسکنِ مصطفا
ملائک بھی ہوتے اوسی پر فدا

بھی ہوتا وہی منظرِ کردگار
ہمہ وقت تا روزِ روزِ شمار

خیوری یہ مقبول نزدِ غفور
کہ کہتے ہے افضل مدینہ ضرور

خدا فرما چکا قرآن مین لاریب
گنہگارانِ امت ہین جو پرعیب

وہ آوین ﷺ پاس تیرے چشم گریان
طلب غفران کرین با سینہ بریان

وہ استغفار پر ہون جبکہ شیدا
مدد اونکی کرین تو بھی ہویدا

کرین ﷺ اونکے لیے تو جب شفاعت
تو بخشے پھر خدا اونکی شناعت

کما ھو قائل قولہ کریما
لوجدوا اللہ توابا رحیما

وہ تینو امر ہووین جبکہ موجود
تو بخشے اونکی عصیان ربِ محمود

وہ ہون مقبول توبہ نزدِ رحمان
کرے اونپر ہمیشہ رحم یزدان

یہ فیضِ مصطفا ہے جبکہ دائم
شفاعت پر ہمیشہ ہین وہ قائم

وہ مقبولِ شفاعت نزدِ ایزد
کہ ہووے جتنے عاصی پاک بعد

یہ جاری فیض اونکا ہے شب و روز
قیامت تک بصد امداد پرسوز

تو اب کیونکر نہو کہتے ہے افضل
مدینہ پر سکینہ شہر اجمل

خیوری کا یہی لاریب ایقان
مدینہ با سکینہ عین ایمان

وہ اول وہ آخر رؤف و رحیم
وہ ظاہر وہ باطن وہ بیشک علیم

وہ میمِ نقابِ رخِ دلربا
حدوث و قدم مین وہ برزخ سدا

وہ سلما حدوثی جو ہے مہ جبین
وہ لیلیٰ قدم جو بسے نازنین

وہ ہر دو نمودار از یک حجاب
کہین جسکو احمد ﷺ رسالت مآب

وہ ہے اُم اُم اور اُمی لقب
وہی آدم و آدمی کا نسب

وہ ہے روحِ اعظم وہ حبِّ قدیم
وہ ہے پدرِ ارواح خلقِ عظیم

وہ روحِ خدا ہے وہ روحِ الٰہ
وہ خلقِ خدا کی ہمیشہ پناہ

وہ ہے سرِّ مطلق وہ شانِ عجیب
مقید نہ ہرگز وہ نزدِ لبیب

وہ سرِّ عوالم وہ مقصود ہے
خیوری کا ہر دم وہ مسجود ہے

ہوا فرمانِ ایزد جب ہویدا
کہ اے محبوب دلہا تجپہ شیدا

تو کر مکے سے ہجرت اب نمودار
کہ ہون خلقت مین ظاہر اوسکے اسرار

رہین خواری و ذلت مین یہ کفار
کرین تجپر فدا دل جملہ انصار

خدایا تب ہوا مین رخت بردار
زسوزِ دل بعزمِ ہجرتِ دار

تو لدگاہ میرا ہے جو پُرنور
دلِ خلقِ عوالم جسسے مسرور

ہوا رحمت کا چشمہ جس سے فوّار
ہوئے اوسپر ملائک بسکہ زوّار

جو ہے مکے مین کعبہ تیرا خانہ
وہ طیرِ دل کا دائم آشیانہ

سماعیلی خلیلی وہ بنا ہے
جلیلی ذات کی اوسپر ثنا ہے

جو بندے خاص تیرے تجپہ قربان
وہ طائف اونکا دائم بادل وجان

وہ لابد مجپہ دائم بسکہ شیدا
تیرے انوار اوس گھر سے ہویدا

وہ ہے بلدِ امین آمنہ جب
تو ہے وہ آمنا لاریب یارب

جو وہ بلدِ امین دلپہ نگین ہے
تو وہ محبوبتر بس نازنین ہے

جدائی اوسکی مجپر ناگوارا
ولے اوسے کیا ہجرت خدارا

وہ ہے نزدیک میرے بسکہ محبوب
وہ محبوب ترین ہے بسکہ مرغوب

جو ہو نزدیک تیرے اے خداوند
ہمہ شہرون سے افضل شہر دلبند

وہ ہو خیر بلاد اللہ خدایا
احبُّ الارضِ حق نزدِ برایا

وہ ہو محبوبتر چون شمع پیدا
تو دلہا اوسپہ چون پروانہ شیدا

وہ ہووے جامعِ خوبین لاریب
وہ سب شہرون سے افضل ہو بلا عیب

وہ ہو محبوبتر نزدیکِ غفار
ہمہ شہرون سے اجمل در ہمہ کار

وہ ہو محبوبتر نزدیک احمد
ہمہ شہرون سے اکمل اور امجد

تو دے اوسمین سکونت مجکو دائم
دل و جان سے رہون مین اوسمین قائم

حیاتِ دنیوی اوسمین رہے شاد
کہ نصر اللہ سے ہووے دین آباد

کرون مین فتح اوس بلدِ امین کو
تو ہو حاصل ترقی میرے دین کو

تو لدگاہ میرا جسمین پُرنور
وہ دین اللہ سے دائم ہووے معمور

کرون مین پاک کعبہ مشرکین سے
وہ ہو آباد دائم مومنین سے

طوافِ خاص بندون سے وہ معمور
وہ انکے ذکر سے معمور و پُرنور

خدایا جو کہ اسرارِ نہانی
عیان تجپر تو ہی یکتائے جانی

جو دردِ و سوزِ امت کا جہان مین
عیان تجپر نہ ظاہر ہو بیان مین

اگر بخشین تو اونکو تیرے لایق
کہ ہے رحمت غضب پر بسکہ فائق

ملوث جبکہ آوین وہ گنہگار
تو مغفور ہین جاوین بادلِ زار

وہ جاوین چشم گریان سینہ بریان
وہ ایمان سے نہون زنہار عریان

وہ تیرے پاس با ایمان آوین
وہ تیری دید سے پھر دید پاوین

کہ وہ میری شفاعت کے سزاوار
تو ایمان پر وہ گذرین جملہ زوّار

خیوری بھی طفیلِ جملہ زوّار
رہے دیدار احمد سے وہ سرشار

کیا مقبول حق نے اوس دعا کو
کیا مبذول احمد پر عطا کو

ہوا فرمانِ حق یا نورِ نوری
دلِ خلقت ہوا جسسے سروری

وہ ہے شہر مدینہ با سکینہ
وہ ہے لاریب رحمت کا خزینہ

کرون مین اوسے نصرت کا دفینہ
عیان اونپر جو ہین رمزِ آئینہ

کرون مین فتح مکہ جو متینہ
مدینے سے جو ہے از بس رصینہ

جو آوین زائرین اہلِ سفینہ
مدینے مین وہ ہون باشرح سینہ

جو ہے تیری شفاعت بس رزینہ
تو ہوون زائرین اوسے ثمینہ

جو ہے دربار تیرا بس زرکینہ
کہ جسکا عرش ادنیٰ ایک زینہ

مشرف اوسسے ہو عین امینہ
کہ ہے دلپر محبت کا نگینہ

نہ مانے اسکو جو ارذل کمینہ
ہوا پیدا وہ از نطفۂ لعینہ

وہ ہو نارِ جہنم مین رہینہ
کہ از ابنِ مغیرہ وہ قرینہ

خیوری جسکا ہے نفسِ سمینہ
تو کب مانے وہ کلماتِ مبینہ

محبو کیا دلیلون سے سروکار
طلب اوسکی دلیلون کو سزاوار

حبیبی کا ہوا اسکن جہان پر
وہی محبوب تر باللہ اکبر

منزہ ہے خدا اگرچہ مکان سے
زمان سے وہ قدیمی بھی نشان ہے

ولے میرا خدا ہے در مدینہ
دلِ انگشتری پر چون نگینہ

خدا کا استوا عرشِ برین پر
مدینے کا ہوا فرشِ زمین پر

نہین بلکہ اوسیکا استوا ہے
وہی دونو پہ بھی غالب سدا ہے

قدمبوسی سے یہ فرشِ زمین ہے
تصدق نعل پر عرشِ برین ہے

مدینے مین جو لولاکی امین ہے
و ختم الانبیا و مرسلین ہے

وہی اصلِ وجودِ جملہ عالم
وہ اکرم اتم اصلِ روحِ آدم

نہین بلکہ وہی روحِ الٰہ ہے
وہ روحِ روح خلقت کی پناہی

محمدؐ سے خدا پیدا ہوا ہے
تو احمد پر خدا شیدا ہوا ہے

نہوتے وہ اگر پیدا زمین پر
تو کب ہوتا خدا عرشِ برین پر

وہ کعبِ کعبہ ہین زمین پر
وہی عرشِ متین عرشِ برین پر

وہی اصلِ فضیلت سب سے افضل
وہی نورِ خدا ہے سب سے اجل

مدینہ جبکہ جارِ مصطفا ہے
تو مکے سے وہ افضل برملا ہے

ہوئی جب جلد مصحف جارِ قرآن
تو اوسکو ہے شرافت اتنے ہر آن

نمس اوسکو کرے الا المطہر
جو ہو غسل و وضو سے پاک اطہر

کہ ہے تعظیم اوسکی عزِ قرآن
وہ حرمت مین برابر مثلِ فرقان

ہوئی جب جلد کو تعظیم حاصل
جوارِ مصحفی سے نزدِ واصل

تو مکے سے مدینہ کیون نہ افضل
جوارِ مصطفا سے نزدِ اکمل

گلستان مین یہ غنچہ ہے شگفتہ
نہ طفلون پر خیوری وہ نہفتہ

بگل خشبوئے در حمام روزے
رسید از دستِ محبوبے بدستم

بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری
کہ از بوئے دلاویز تو مستم

بگفتا من گلِ ناچیز بودم
ولیکن مدتے با گل نشستم

جمالِ ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

ہوئی کعبے سے مکے کو شرافت
ملی کعبے کو احمد سے لطافت

شرافت بھی لطافت اونکو لاریب
ملی احمد سے بے نقصان و بے عیب

تو جو اصلِ شرافت کا ہوا جار
وہی اشرف وہی الطف ازان دار

وہ دارِ پادشاہِ دو جہان ہے
جہان جنکے قدم سے بانشان ہے

وہ دارِ نورِ ایمان بامان ہے
امان ایمان اوسی سے در جنان ہے

وہ در جسمِ جہان چون دل ہویدا
تو اہلِ دل ہمہ اوس پر ہین شیدا

مدینہ مسکنِ نورِ خدا ہے
خدا پر جو فدا اوس پر فدا ہے

وہی نورِ زمین و آسمان ہے
وہی یکتا حبیبِ لامکان ہے

اساسِ قبہ جملہ عوالم
وہی یکتا وہی اصلِ او ادم

وہی فاتح وہی خاتم بلاریب
وہ شرکت سے منزہ ہے بلاعیب

ز صلوات و تسلیماتِ ایزد
تصدق باد بر نورِ محمد

بھی اونکی آل پر جو چون سفینہ
دگر اونپر جو ہین اہلِ مدینہ

صحابہ اور ازواجِ نبی پر
نجوم دین جو ہین وہ جملہ رہبر

نثارِ جملہ اشعارِ خلائق
نثارِ جملہ اسرارِ حقائق

الی ابد الابد ہر لحظہ ہر آن
منور نور بخشِ چون زبرقان

خیوری پڑھ تو اپنا وردِ امجد
اغثنی یا محمد یا محمد

اللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلٰوۃً تَسْتَغْرِقُ الْعَدَّ
تَدُوْمُ بِدَوَامِكَ السَّرْمَدِ
وَسَلَامًا بَاقِیًا اِلَی الْاَبَدِ
لَاغَایَةَ لَهٗ وَكَ
آمین

خیوری یہی قول ہے پرجلال
وہ دارِ خدا میں خدائے جلال

یہ لاریب فرمانِ خیر البشر — درودِ خدا اون پہ شام و سحر
کہ جو خویش ہے وہ دیگر عرب — مہاجر وہ انصار اہلِ ادب
نہ جانے کوئی دل سے اُنکے حقوق — تو خالی نہ ان تین سے وہ علوق
منافق وہ ہے یا کہ ابنِ حرام — زنا سے وہ پیدا ہوا لا کلام
و یا حمل اوسکا ہوا باقرار — بلا طُہر در حالتِ خبث دار
کہ در حالتِ حیض حمل اُسپر — پلیدی میں لابد ہوا مستقر
تو جب خبثِ باطن سے اُسکی سرشت — وہ ہے لتۂ حیض یا خونِ زشت
تو منکر ہوا وہ زخیر العباد — کہ ہر طور ہی اُس میں خبثِ نہاد
وہ منکر زخویشانِ خیر الورا — وہ ہے آلِ طاہر کا دشمن سدا

وہ اہلِ عرب سے رکھے کب وداد — کہ ہے دشمنِ ذاتِ خیر العباد
چہ جائے کہ ہے وہ ادائے حقوق — کہ ہے خبثِ نطفہ سے اُس کا علوق
جو حرمین ہیں دارِ امن و امان — وہ دارِ حبیبِ شہِ دو جہان
جو سکان انمین خواص و عوام — حبیبِ خدا پہ فدا وہ مدام
وہ ہمسایگانِ خدا و رسول — علی حسبِ رُتبہ وہ اہلِ قبول
مقدم شجاعت میں وہ بالیقین — مراتب میں وہ جملہ ہیں سابقین
مدینہ میں جو سُنیانِ کرام — تو ہو خاتمہ خیر اُنکا مدام
نہ گذرے کوئی کفر پہ زینہار — جوارِ حبیبی ہیں خرد و کبار
جو سکانِ حرمین ہیں سُنیان — تو اُن پر کریں منکرین بدگمان
جو اولادِ ابنِ مغیرہ عیان — تو اُنکی مذمت کریں ہیبیان
حقارت کریں اہلِ حرمین کی — نہ حرمین بل شاہِ ثقلین کی
کہیں اونکو حربی وہ قاسی فلان — کہ حرمین ہرگز نہ جائے امان
خدا کا غضب منکروں پر مدام — وہ ابنِ مغیرہ وہ ابنِ ہمام
وہ موذیٔ سکانِ حرمین ہیں — وہ دارین میں بسکہ پُر شین ہیں
وہ موذیٔ خیر الورا بیگمان — تو ہے اوپہ لعنِ خدائے جہان

وہ ہیں جبکہ ملعونِ ربّ العباد
تو دائم خیوری سے اونکو عناد

ذات منیر مسکن مصطفیٰ وہ مظہر روح خدا
لابد ظہور ذو المنن اوسکے ہوئے ہیں محن
جملہ زمین و آسمان جملہ مکان و لامکان
جو عرشیان و فرشیان خدام اوسکے ہر زمان
ظاہر میں بندہ بالیقین باطن میں رب العالمین
وہ عابد و معبود ہے وہ ساجد و مسجود ہے
احمد مکان میں ہے عیان وہ احمد لامکان
والسوف یعطی جو بیان ہے آدمیت سر آن
عرش و بہ ہمہ وہ عرشیان کعبہ ہمہ وہ مکیان
نعت مدینہ سے جنان ہے وہ شگفتہ چو چمن
اے شافع جملہ رسل ہے نافع ہر جزو کل
ورد دلی کی جود واکر لطف ہے مجکو عطا
ہجر مدینہ سے دلم با آہ و نالہ پر الم
اوس آستانے پر یہ جان ام ہے سجدہ کنان
جسکا توی غمخوار ہے اوسکا تو سب غمخوار ہے
اس شمع کنز کردگار دل سوختہ پروانہ وار

وہ کنز نور کبریا جان و جنان و سپر خدا
وہ نور ایمان کا وطن بیشک وہی ہیں پیر خدا
اوسے ہمیشہ ہیں عیان وہ نور ذات کبریا
حُب محمد جز جان او نکا وظیفہ بر ملا
ہے نور قرآن مبین قرآن ناطق مصطفیٰ
وہ حامد و محمود ہے وہ شافع روز جزا
ہے میم برزخ درمیان وہ وحدۃ بین الورا
وہ سر مطلق جان جان حب خدا اوسکی رضا
یہ وردا و نکا ہر زمان خاک مدینہ کحل ما
انہار چشموں سے روان ہر آن ہر صبح و مسا
وے رافع ارباب دل بیمار روضہ بقا
ماہر نہیں تیرے سوا اوس درد کو کوئی شفا
یا سیدی رب الامم بہاو وصال جان فزا
وہ طائف روضہ روان سبحان رب العلا
جس دلکا تو دلدار ہے وہ زار کب ہے پر سرا
پروانہ اوسکو بنہار جز رویت لقا

اُمدد اغثنی یا حبیب ارحم اجب لی یا مجیب
بہر جمیع آل الحبیب مسکین خیوری کی دعا

اختتامیہ

مولانا خیر الدین خیوری دہلوی رحمۃ اللہ علیہ برعظیم پاک و ہند کی مظلوم ترین شخصیتوں میں سے ہیں۔ ان کا تبحر علمی درس و تدریس اور وعظ و تذکیر میں ان کی مخلصانہ کاوشیں' مختلف علوم میں ان کی متبحرانہ حیثیت' تصنیف و تالیف میں ان کی نمایاں کارکردگی' علم و دانش اور تبلیغ و فروغ شعائر دینی کے لیے مختلف ممالک میں ان کے اسفار......... ان میں کون سی ایسی عادت یا کوشش تھی کہ ان کے حالات کو پردۂ اخفا میں رکھا جاتا۔ اگر اولاد میں سے کوئی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کا حامل تھا اور بوجوہ اپنے والد سے مختلف راستے کا راہی بنا تو کیا اس کے لیے یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ وہ اپنے والد کے حالات نہ لکھے' خود کو شاعر کہلوانے کے شوق میں والد کی شاعری ہی کو تسلیم نہ کرے۔ اور پھر والد کی دین سے گہری وابستگی اور محبت کی دشمنی میں ہندوؤں کا تابع مہمل بن جائے۔ والد کا دینی تشخص اور علمی تخصص اسے غیر مسلموں کو منبر رسول ﷺ پر بٹھانے ان سے مدرسوں' مسجدوں کا افتتاح کروانے اور انھیں خوش کرنے کے لیے تفسیری "اجتہاد" پر اکسائے۔ اسے اپنے والد کی محبت رسول ﷺ' تحفظ ناموس رسالت کی کوششوں سے ناپسندیدگی اس کے مخالف جادے پر گامزن کر دے۔ یہ کیا کہ والد اگر اپنے آقا و مولا حضور رسول اکرم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی فقرہ' لفظ یا شوشہ برداشت نہ کرنے کی غیرت ایمانی رکھتا ہو تو بیٹا قادیانیوں سے ربط ضبط قائم کرلے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد بعض اوقات اپنے ماں باپ کی راہ سے الگ یا مختلف راہ بھی اپنا لیتی ہے اور اس کے لیے کوئی مذہبی' سیاسی یا اخلاقی جواز بھی رکھتی ہے یا تلاش کر لیتی ہے۔ بعض ناخلف اپنے والدین سے دشمنی کی حد تک بھی چلے جاتے ہیں لیکن اس مخاصمت کی مثالیں کم ملتی ہیں کہ کوئی دین ہی کی نئی تعبیر کر دے یا اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و ناموس ہی کو داؤ پر لگا دے۔

ابوالکلام مولانا خیر الدین کی دین سے محبت و عقیدت سے یوں نفور ہوئے کہ ہندو مسلم

اتحاد سے آگے بڑھ کر متحدہ قومیت کے پرچارک بن گئے۔ حضور رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے میرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرنے لگے اس کے جنازے میں شریک ہوئے' قادیان میں ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کے لیے "رنگیلا رسول" قسم کی کتابوں کی اشاعت پر مسلمانوں کو غیرت وحمیت کا مظاہرہ نہ کرنے کی تلقین کی...... اور پتا نہیں کیا کیا۔

مولانا خیرالدین تصوف کے داعی تھے پیر طریقت تھے ان کی حضور پُرنور ﷺ سے محبت واضح ہے تبلیغ دین میں ان کی کاوشیں سامنے ہیں انھوں نے حضور فخر موجودات باعث ظہور کائنات علیہ السلام والصلوٰۃ کے آباء و اُمّہات کے ایمان پر دلائل و براہین سے پُر کتاب لکھی' وہابیوں کے خلاف تصنیف وتالیف اور زبان وبیان کے ذریعے آواز اٹھائی' ناموس صحابہ اور ناموس اہل بیت کی حفاظت کے لیے کارروائیاں کیں' حرم کعبہ میں وعظ کرتے رہے۔ قرآن مجید کے معارف وغوامض پر سالہا سال درس دیا۔ شاید نقشبندی سلسلے کے مجاز تھے لیکن وحدت الوجود کا پرچار بھی کرتے رہے۔ کسی کو ان سے مسلک یا کسی موضوع کے اعتبار سے اختلاف ہو تو اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے لیکن ان کے تذکرے ہی سے اغماض کا کیا جواز ہے۔ کچھ لوگوں نے ابوالکلام پر لکھتے ہوئے چند سطروں یا چند پیروں میں ان کی بات کی ہے۔ اسی طرح جہاں مجبوری آن پڑی ہے وہاں ابوالکلام نے بھی اچھا یا بُرا ان کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے کچھ حالات سب سے پہلے پروفیسر سید شفقت رضوی نے خاندانِ ابوالکلام کے حوالے سے بیان کیے۔ اور اب راقم الحروف نے ان کی نعت گوئی کو سامنے لانے کی نیت سے زیر نظر کام کیا ہے۔ ربّ کریم ان کی دینی شعائر دین اور سرکار ابد قرار ﷺ سے محبت وعقیدت کو قبول فرمائے اور ان کی خامیوں غلطیوں سے درگزر فرمائے۔

ابوالکلام کو جتنی والہانہ محبت ہندوؤں' ہندوازم اور قادیانیوں سے تھی' کاش اس کا دسواں بیسواں حصہ اپنے والد سے ہوتی۔

☆☆☆☆☆

حواشی وتعلیقات

۱۔ آزاد ابوالکلام۔ تذکرہ (مرتبہ فضل الدین احمد مرزا) مکتبہ احباب لاہور۔ س ن۔ ص ۲۷/ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ معیار ادب' کراچی۔ ۱۹۸۶۔ ص ۱۱۹

۲۔ تذکرہ۔ ص ۲۷'۲۸/ افضل حق قرشی (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ الفیصل' لاہور۔ جون ۱۹۹۲۔ ص ۳۲'۳۳ (مضمون "خاندان وسوانح" از مولانا غلام رسول مہر)

۳۔ اسحٰق قریشی' ڈاکٹر محمد۔ برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ مرکز معارف اولیا' محکمہ اوقاف حکومت پنجاب' لاہور۔ طبع اول۔ شوال ۱۴۲۳ھ/ دسمبر ۲۰۰۲۔ ص ۸۶۰

۴۔ عبدالرزاق ملیح آبادی (مرتب)۔ ابوالکلام کی کہانی' خود ان کی زبانی۔ مطبوعات چٹان' لاہور۔ اشاعتِ دوم یکم جنوری ۱۹۶۳۔ ص ۸۷/ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۷

۵۔ ضیاء الدین لاہوری۔ جوہر تقویم۔ جمعیت پبلی کیشنز' لاہور۔ طبع جدید اپریل ۲۰۰۲۔ ص ۲۱۸'۲۱۹ .... پروفیسر سید شفقت رضوی لکھتے ہیں "تاریخ پیدائش کی تصدیق مولانا آزاد کے اس ڈیکلریشن سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے اپنے پاسپورٹ بنوانے کے سلسلے میں داخل کیا تھا (شفقت رضوی' سید۔ ایک علمی خاندان۔ ادارہ تحقیقات افکار وتحریکات ملی پاکستان' کراچی۔ ۱۹۹۰۔ ص ۲۰)

۶۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۷'۶۸ .... پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں کہ "طب مغربی کے حصول کے لیے وہ آگرہ گئے اور وہاں یورپین ماہرین طب سے یہ علم حاصل کیا۔" (ایک علمی خاندان۔ ص ۳۰)

۷۔ شورش کشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ مطبوعات چٹان' لاہور۔ اشاعتِ سوم اکتوبر ۱۹۹۹ء۔ ص ۱۴

۸۔ برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۰

۹۔ دنیائے نعت (تنقیدی و معلوماتی کتابی سلسلہ) کراچی۔ سلسلہ نمبر ۳۔ مارچ ۲۰۰۴ء۔ ''نعت نمبر'' (مرتب: عزیز الدین خاکی)۔ ص ۱۰۲۔ مضمون ''برِ عظیم پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری ایک جائزہ از راجا رشید محمود)

۱۰۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۱۱۔ ابوالکلام آزاد ادبی و شخصی مطالعہ۔ ص ۶۸ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری نے لکھا ہے کہ وہ تقریباً ۱۸۵۹-۶۰ء میں ہندوستان سے حجاز تشریف لے گئے تھے (آزاد دہلوی، ابوالنصر غلام یٰسین۔ الکلام۔ ابوالکلام آزاد ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کراچی۔ ۱۹۹۷ء۔ ص ۱۶۔ تقدیم و تعارف از ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری) محمد رفیق ملک تفصیل میں نہیں گئے۔ ۱۸۵۷ء کے غدر (جنگ آزادی ___ محمود) کے بعد آپ (آزاد) کے والد کو ہندوستان چھوڑنا پڑا اور وہ کئی سال عرب و قسطنطنیہ میں رہے (انتخاب ''البلاغ''۔ ابوالکلام آزاد۔ ادبستان لاہور۔ س ن۔ ص ۴) یہ بات درست نہیں۔ وہ جنگ آزادی کے بعد نہیں چلے گئے تھے۔

۱۲۔ شفقت رضوی، سید۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۰، ۲۱

۱۳۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۱

۱۴۔ مالک رام (مرتب) خطوط ابوالکلام آزاد۔ جلد اول۔ الفیصل لاہور۔ جون ۱۹۹۹ء۔ ص ۳۹۔

۱۵۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰، ۱۲۱ عبداللہ بٹ نے مولانا خیر الدین کے عرب سے کلکتہ آنے کا سن بھی ۱۹۰۷ء کے بجائے ۱۸۹۸ء لکھ دیا ہے جو غلط ہے۔ (ص ۱۲۲)

۱۶۔ ایضاً۔ ص ۲۱

۱۷۔ پتا نہیں غلام رسول مہر کا ماخذ کیا ہے۔ سید شفقت رضوی نے بھی ایک جگہ ان کا نام عالیہ (ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱) اور اٹھارہ صفحوں کے بعد زینب لکھا ہے۔ ''شیخ محمد ظاہر وتری نے اپنی بھانجی زینب ان کے عقد میں دی'' (ص ۳۹) جب خود ابوالکلام کہتے ہیں ''میری والدہ کا نام زینب تھا'' (خطوط ابوالکلام آزاد مرتبہ مالک

رام۔ ص ۳۹)

۱۸۔ ابوالکلام آزاد ادبی و شخصی مطالعہ۔ ص ۶۸

۱۹۔ مالک رام۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے پہلے بیس سال (مضمون) مشمولہ تحریر دہلی۔ ص ۳۸۔ بحوالہ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۹

۲۰۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱

۲۱۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۲۲۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱، ۲۲

۲۳۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰

۲۴۔ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد مع خطبۂ صدارت۔ کتب خانہ عزیزیہ دہلی۔ س ن۔ ص ۴۔ مضمون ''کانگریس کے نئے صدر'' از آصف علی ایم ایل اے/ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۲۱ (عبداللہ بٹ نے بھی لکھا 'قیامِ ترکی کے دوران میں سلطان نے مولانا کی کتابیں اپنے خرچ سے قاہرہ میں چھپوا کر شائع کیں (ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۱)

۲۴۔الف) مولانا خیر الدین نے ''اسباب السرور لاصحاب الحبور'' کے صفحہ ۱۸۵ پر اس کی قیمت ۸ آنے لکھی ہے لیکن راقم الحروف کے پاس جو کتاب ہے اس میں موجود ''اعلان پُر برہان'' میں قیمت ساڑھے پانچ آنے چھپی ہوئی ہے۔ ہو سکتا ہے بعد میں قیمت بڑھا دی گئی ہو۔

۲۵۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۱

۲۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱

۲۷۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۱۹۱

۲۸۔ شورش کشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴

۲۹۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۴۶

۳۰۔ عبداللہ بٹ۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰، ۱۲۱

۳۱۔ تحقیق (مجلہ) جلد ۲۔ شمارہ ۳۔ ناشر کلیہ علوم اسلامیہ و ادبیاتِ شرقیہ پنجاب یونیورسٹی

لاہور۔ ص ۹۵'۹۶ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہفت روزہ اردو اخبار "سراج الاخبار" جہلم کے شماروں سے تحریروں کا انتخاب از افضل حق قرشی)

۳۲۔ برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۱

۳۳۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۴۵

۳۴۔ کاروانِ خیال۔ بساطِ ادب لاہور۔ بار چہارم ۱۹۷۴ء۔ ص ۵۳ تا ۵۵

۳۵۔ ایضاً۔ ص ۶۴

۳۶۔ اقبال۔ کلیاتِ اقبال (اردو)۔ ص ۳۳۲ (بالِ جبریل۔ ص ۲۰ غزل نمبر ۱۷ کا مطلع)

۳۷۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۱۲۱

۳۸۔ الہلال۔ ۱۱۹ کتوبر ۱۹۱۲ء۔ ص ۳۔ بحوالہ "برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری۔ ص ۸۶۱۔

۳۹۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۴'۱۵'۱۶

۴۰۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۲۸

۴۱۔ خطوط ابوالکلام آزاد۔ ص ۴۰'۴۱

۴۲۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۲

۴۳۔ قاسم محمود، سید۔ مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ شاہکار بک فاؤنڈیشن کراچی۔ ص ۱۰۵۶

۴۴۔ پاکستان اسٹیٹ آئل ریویو۔ کراچی۔ خصوصی حج نمبر ۱۴۰۸ھ "حرم سے حرم تک"۔ ص ۱۰ (مضمون "کعبۃ اللہ۔ المسجد الحرام" از شاہ مصباح الدین شکیل)

۴۵۔ سلمان منصور پوری، قاضی محمد سلیمان۔ سفرنامہ حجاز (تاریخ الحرمین) شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور۔ اشاعت ثانی ۱۹۸۶ء/۱۴۰۴ھ۔ ص ۱۸۲

۴۶۔ معراج الاسلام محمد۔ مسجد نبوی ﷺ۔ مکتبہ دربار شریف فیصل آباد۔ س ن۔ ص ۱۷۹

۴۷۔ اسلم جیراجپوری، حافظ محمد۔ تاریخ الامت حصہ ہفتم: آل عثمان۔ محبوب المطابع دہلی۔ بار اول ۱۹۳۰ء۔ ص ۸۹

۴۸۔ ایضاً۔ ص ۸۹'۹۱

۴۹۔ غلام یٰسین آہ دہلوی، ابوالنصر۔ الخیام (تکملہ از ابوالکلام آزاد)۔ ابوالکلام آزاد ریسرچ

انسٹی ٹیوٹ کراچی۔ ۱۹۹۷ء۔ ص ۲۶۔ ("تقدیم و تعارف" از ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری)

۵۰۔ تاریخ الامت۔ حصہ ہفتم: آل عثمان۔ ص ۹۲'۹۷

۵۱۔ عبداللہ بٹ (مرتب)۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۲/ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۳

۵۲۔ الخیام۔ ص ۲۶۔ (تقدیم)

۵۳۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۸/ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۵

۵۴۔ الخیام۔ ص ۲۶

۵۵۔ ایضاً

۵۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۳۲

۵۷۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۲۸

۵۸۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۹ (غلام رسول مہر کا مضمون)/ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۵

۵۹۔ کاروانِ خیال۔ ص ۵۳ تا ۵۵

۶۰۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۲

۶۱۔ ابوالکلام آزاد: ادبی وشخصی مطالعہ۔ ص ۶۹

۶۲۔ شورش کاشمیری۔ ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۸

۶۳۔ درج الدرر البہیۃ فی ایمان الآباء، والامہات المصطفویۃ۔ مطبع توفیق کلکتہ۔ صفحات ۲۰۷+۱۷۴

۶۴۔ خطوط ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ص ۴۰

۶۵۔ تحقیق (مجلہ) پنجاب یونیورسٹی۔ جلد ۲ شمارہ ۲۔ ص ۹۵'۹۶ (افضل حق قرشی کا مضمون بعنوان "سراج الاخبار" تیسری آخری قسط)

۶۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۶۹'۲۰۰'۲۳

۶۷۔ ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ ص ۱۲۲

۶۸۔ الخیام۔ ص ۲۷ (تقدیم)

۶۹۔ چراغ حسن حسرت کا مضمون ''مولانا آجاد کلام'' مشمولہ ابوالکلام آزاد (مرتبہ عبداللہ بٹ) ص ۳۹

۷۰۔ شیر بہادر خان پنی' ڈاکٹر۔ مولانا ابوالکلام آزاد۔ ادارہ تصنیف و تحقیق پاکستان' کراچی ۱۹۸۶۔ ص ۲۳

۷۱۔ عبداللہ بٹ (مرتب) ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۲۰

۷۲۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۰' ۲۱' ۲۲' ۲۳

۷۳۔ آزادیٔ ہند (ابوالکلام کی خود نوشت ''انڈیا ونز فریڈم'' کا ترجمہ' تلخیص' تبویب' استدراک از رئیس احمد جعفری)۔ مقبول اکیڈیمی لاہور۔ طبع ہشتم ۱۹۸۱۔ ص ۲۸۶

۷۴۔ الخیام۔ ص ۳۲ (تقدیم)

۷۵۔ ابوالکلام آزاد۔ غبار خاطر۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ بار اول ۱۹۸۸۔ ص ۳۲۹' ۳۳۰

۷۶۔ ایک علمی خاندان۔ ص ۲۲

۷۷۔ وہابیت کے رد میں دس جلدوں کی اس کتاب کا نام ''نجم المہتدین لرجم الشیاطین'' تھا

۷۸۔ شورش کاشمیری' ابوالکلام آزاد۔ ص ۱۵' ۱۶

۷۹۔ ایضاً۔ ص ۱۸' ۱۹

۸۰۔ شاہد' ایم اے (مرتب) مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ موڈرن پبلشرز' کراچی۔ ۱۹۸۱۔ ص ۹۲ (مضمون ''ایک پاک نہاد زندگی'' از مولانا سعید احمد اکبر آبادی)

۸۱۔ فاران (ماہنامہ) کراچی۔ مارچ ۱۹۶۰۔ بحوالہ مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ ص ۲۷

۸۲۔ عبدالوحید خاں۔ تقسیم ہند۔ مکتبہ کارواں لاہور۔ طبع دوم اگست ۱۹۸۲۔ ص ۳۰

۸۳۔ مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ ص ۹۳ بحوالہ ''نقیب ملت'' لاہور' الرشید (ماہنامہ) ساہیوال۔ رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ (علی میاں سے انٹرویو)

۸۴۔ تذکرہ۔ مکتبہ احباب لاہور۔ ص ۳۲

۸۵۔ ایضاً۔ ص ۲۸' ۲۹' ۳۰' ۳۱

۸۶۔ محمد عبدالشاہد خاں شروانی نے صدر یار جنگ حبیب الرحمن خان شروانی اور ابوالکلام آزاد کی خط کتابت جمع کر دی اور اس کے مقدمے میں دونوں کے بارے میں لکھا۔

''ایسا بھی کم ہوتا ہے کہ بڑا آدمی خاندان و حسب نسب کے اعتبار سے بھی بڑا ہو۔ ہمارے یہ دونوں بزرگ اس سعادت سے بھی بہرہ اندوز ہیں۔ خاندانی عزت و وجاہت' نسبی نجابت و شرافت اور حسبی علو و رفعت سے بھی مالا مال ہیں۔ ایک اگر نامور شروانی قوم کا فخر خاندان فرد ہے تو دوسرا صدیقی نسل کا چمکتا ہوا چراغ اور خاندان علماء و صلحا کا بدر منیر۔ ایک کے اجداد کرام نسلاً بعد نسل امارت و ریاست سے بہرہ ور رہے ہیں تو دوسرے کے آباء عظام مسند آرائے علم و معرفت۔ ایک کے مورث اعلیٰ عمر خاں شروانی وغیرہ وزراء امراء سلطنت ہند ہوئے ہیں تو دوسرے کے اسلاف قاضی القضاۃ مفتی اعظم اور رکن المدرسین کے عہدۂ جلیلہ پر سرفراز۔'' (کاروان خیال۔ ص ۲۹' ۳۰۔ مقدمہ)

۸۷۔ غبار خاطر۔ مکتبہ رشیدیہ لاہور۔ ص ۱۵۴' ۱۵۵' ۱۵۹' ۱۶۰

۸۸۔ ایضاً۔ ص ۱۶۰' ۱۶۱

۸۹۔ مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد۔ ص ۴' ۵

۹۰۔ عاشق حسین بٹالوی' ڈاکٹر۔ اقبال کے آخری دو سال۔ اقبال اکادمی پاکستان' کراچی۔ اشاعت اول ۱۹۶۱۔ ص ۴۶۷

۹۱۔ زمیندار (روزنامہ) لاہور' ۲ مارچ ۱۹۴۷۔ بحوالہ ''دبدبہ سکندری'' رام پور۔ ۱۵ مارچ ۱۹۴۷۔ ص ۴

۹۲۔ ابوسلمان شاہجہانپوری (مرتب) مکاتیب ابوالکلام۔ اردو اکیڈمی سندھ' کراچی۔ ص ۱۱۰ (مدرسۂ اسلامیہ کلکتہ کا افتتاح ۱۳ دسمبر ۱۹۲۰ کو ہوا اور اس میں ابوالکلام نے جو تقریر کی وہ ساری کی ساری ''مہاتما جی'' کو خطاب کر کے کی گئی (مالک رام دہلوی (مرتب)۔ خطبات آزاد۔ حصہ اول۔ گلوب پبلشرز' لاہور۔ س ن۔ ص ۳۷' ۳۸' ۳۹)

۹۳۔ مسعود احمد' ڈاکٹر پروفیسر محمد۔ ''تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم''۔ رضا پبلی کیشنز' لاہور۔ ص ۱۳۔ بحوالہ اخبار ''مدینہ'' بجنور ۹۔ اپریل ۱۹۲۰

۹۴۔ ایضاً۔ بحوالہ ''مدینہ'' بجنور ۲۸۔ اگست ۱۹۲۰

۹۵۔ عبدالنبی کوکب' قاضی و محمد موسیٰ امرتسری' حکیم (مرتبین)۔ مقالات یوم رضا۔ حصہ

اوّل۔ لاہور۔ ص ۹۸٬۹۹

۹۶۔ اہل حدیث (ہفت روزہ) امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹۔ ص ۱۲

۹۷۔ انور عارف (مرتب)۔ جامع الشواہد از مولانا ابوالکلام آزاد۔ بساط ادب لاہور۔ بار سوم ۱۹۸۰۔ صفحات ۱۴۴

۹۸۔ اہلحدیث امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹۔ ص ۱۲

۹۹۔ دبدبہ سکندری (روزنامہ) رامپور۔ یکم نومبر ۱۹۲۰

۱۰۰۔ پیسہ اخبار (روزنامہ) لاہور۔ ۱۳ نومبر ۱۹۲۰۔ ص ۲

۱۰۱۔ ہمدم (روزنامہ) لکھنؤ۔ ۸ جون ۱۹۲۰ء

۱۰۲۔ سعادت (پندرہ روزہ) کمالیہ۔ یکم فروری ۱۹۳۲/ ۲۳ جون ۱۹۳۲

۱۰۳۔ احمد سرہندی، شیخ (مجدد الفِ ثانی)۔ مکتوبات مجدد الفِ ثانی۔ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی۔ جلد اوّل۔ ص ۱۰۶

۱۰۴۔ یہ سیٹھ جان محمد چھوٹانی خلافت کمیٹی کے بانیوں میں سے تھے۔ طویل عرصے تک خلافت کمیٹی کے صدر رہے۔ بڑے مخلص اور ایثار پسند لیڈر مشہور تھے لیکن بعد میں انھوں نے خلافت کا سترہ لاکھ روپیہ (آج کے سترہ لاکھ نہیں) اپنے کاروبار میں لگایا اور وہ ڈوب گیا (خطبہ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون ایم ایل اے منتخب صدر آل انڈیا خلافت کانفرنس منعقدہ ۲۶٬۲۷٬۲۸ فروری ۱۹۳۷ بمقام لکھنؤ۔ قاضی محمد مجتبیٰ کوتانوی نے میکلیوڈ روڈ کراچی سے شائع کیا۔ ص ۸٬۷

۱۰۵۔ زمیندار لاہور۔ یکم مئی ۱۹۲۰۔ ص ۲/ زمیندار۔ ۴۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۲/ زمیندار ۱۹۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۲/ پیسہ اخبار۔ ۳۰ اپریل ۱۹۲۰۔ ص ۳/ پیسہ اخبار۔ ۲۸ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۵/ پیسہ اخبار۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۲۰۔ ص ۶/ نقوش۔ لاہور۔ آپ بیتی نمبر۔ جلد اوّل۔ جون ۱۹۶۴۔ ص ۳۶۹ (گاندھی کی آپ بیتی۔ ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین۔ تلخیص از خورشید مصطفیٰ رضوی)

۱۰۶۔ پیسہ اخبار۔ ۲۶ نومبر ۱۹۲۰۔ ص ۲٬۵

۱۰۷۔ ابوالکلام آزاد۔ ترجمان القرآن۔ جلد اوّل۔ ص ۱۶۳٬۱۶۴

۱۰۸۔ کاش البرنی۔ مسلم انڈیا۔ سٹار لائٹ پبلشنگ کمپنی لاہور۔ ۱۹۴۲۔ ص ۱۳۵

۱۰۹۔ ابوالکلام آزاد۔ قول فیصل۔ ادبستان لاہور۔ بار دوم ۱۹۵۵۔ ص ۳۲

۱۱۰۔ ابوالکلام آزاد، مولانا۔ مسئلہ خلافت۔ بساط ادب لاہور۔ اشاعت اوّل ۱۹۸۷۔ ص ۲۹۹

۱۱۱۔ عبدالماجد دریابادی، مولانا۔ معاصرین۔ گلوب پبلشرز لاہور (ترتیب: حکیم عبدالقوی دریابادی) س ن۔ ص ۱۸۵

۱۱۲۔ خطوط ابوالکلام آزاد (مرتبہ مالک رام) ص ۴۳٬۷۴

۱۱۳۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر۔ مسائل اقبال۔ مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور۔ ایڈیشن اوّل ۱۹۷۴۔ ص ۳۲۵

۱۱۴۔ اجمل خاں، محمد (مرتب)۔ ملفوظات آزاد۔ مکتبہ ماحول کراچی۔ پہلی بار۔ اکتوبر ۱۹۶۱۔ ص ۱۳۰

۱۱۵۔ عبدالمجید سالک۔ یارانِ کہن۔ مطبوعات چٹان لمیٹڈ لاہور۔ ایڈیشن دوم ۱۹۶۷۔ ص ۵

۱۱۶۔ انیس شاہ جیلانی، سید (مرتب) حیرت شملوی اکادمی محمد آباد۔ ایڈیشن اوّل ۱۹۶۵۔ ص ۱۱٬۱۲٬۱۳

۱۱۷۔ ایضاً۔ ص ۱۵٬۱۶

۱۱۸۔ ایضاً۔ ص ۱۷٬۱۸٬۱۹

۱۱۹۔ ایضاً۔ ص ۲۰٬۲۱

۱۲۰۔ ایضاً۔ ص ۲۳

۱۲۱۔ دوست محمد شاہد (مؤلف) تاریخ احمدیت۔ جلد سوم۔ ادارۃ المصنفین ربوہ۔ ص ۳۰۹

۱۲۲۔ عبدالرزاق ملیح آبادی۔ ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی۔ مطبوعات چٹان لاہور۔ اشاعت دوم۔ یکم جنوری ۱۹۶۳۔ ص ۳۳۰

۱۲۳۔ تاریخ احمدیت۔ جلد سوم۔ ص ۵۷۱٬۵۷۲٬۵۷۳ بحوالہ بدر۔ ۱۸ جون ۱۹۰۸۔ ص ۳٬۲

۱۲۴۔ ابوالکلام آزاد، مولانا۔ تصریحات آزاد۔ مکتبہ اشاعت ادب لاہور۔ بار اوّل دسمبر ۱۹۶۰۔ ص ۱۳۰٬۱۳۱

۱۲۵۔ ایضاً۔ ص ۱۶۴٬۱۶۵

۱۲۶- شورش کاشمیری- چہرے- مکتبہ ماحول کراچی- بار اول- جنوری ۱۹۶۵- ص ۳۹

۱۲۷- چٹان (ہفت روزہ) لاہور- ۶ مارچ ۱۹۶۱- ص ۱۵

۱۲۸- مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد- ص ۴

۱۲۹- شورش کاشمیری- ابوالکلام آزاد- ص ۱۶، ۱۷

۱۳۰- ایک علمی خاندان- ص ۲۲، ۲۳

۱۳۱- ایضاً- ص ۲۳

۱۳۲- خطوط ابوالکلام آزاد- (مرتبہ مالک رام) ص ۴۰

۱۳۳- ایک علمی خاندان- ص ۲۳، ۲۴

۱۳۴- ایضاً- ص ۲۴

۱۳۵- ماحول- کراچی- آزاد نمبر- ستمبر ۱۹۶۰- ص ۱۰۲

۱۳۶- ایک علمی خاندان- ص ۳۹

۱۳۷- شورش کاشمیری- ابوالکلام آزاد- ص ۱۹

۱۳۸- ارمغان آزاد- جلد اول، مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری- آزاد اکیڈمی کراچی- اشاعت ثانی ۲۲ فروری ۱۹۷۸- ص ۲۹

۱۳۹- غلام رسول مہر- نقش آزاد- کتاب منزل لاہور- ۱۹۵۸- ص ۳۲۲

۱۴۰- عبدالوحید خاں- تقسیم ہند- ص ۳۲

۱۴۱- ایک علمی خاندان- ص ۳۰ تا ۳۵

۱۴۲- برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری- ص ۸۶۲ تا ۸۶۵

۱۴۳- الاحزاب- ۷۲:۳۳

۱۴۴- بنی اسرائیل- ۷۰:۱۷

۱۴۵- البقرہ- ۳۰:۲

۱۴۶- النور- ۳۵:۲۴

۱۴۷- مسند احمد

۱۴۸- الاعراف- ۱۷۲:۷

۱۴۹- الذاریات- ۵۶:۵۱

۱۵۰- آل عمران- ۲۶:۳

۱۵۰- آل عمران- ۳۱:۳

۱۵۲- والضحیٰ- ۶:۹۳

۱۵۳- الفتح- ۱۰:۴۸

۱۵۴- البلد- ۲۶:۹۰

☆☆☆☆☆

ماخذ ومراجع

قرآن مجید

البقرہ- ۳۰:۲

آل عمران- ۳۱:۳/۲۶:۳

بنی اسرائیل- ۷۰:۱۷

النور- ۳۵:۲۴

الاحزاب- ۷۲:۳۳

الفتح- ۱۰:۴۸

الذاریات- ۵۶:۵۱

البلد- ۲۶:۹۰

والضحیٰ- ۵:۹۳

کتب

آزادیٔ ہند- ("انڈیا ونز فریڈم" کا ترجمہ از رئیس احمد جعفری)

ابوالکلام آزاد- شورش کاشمیری

ابوالکلام آزاد- (مرتبہ عبداللہ بٹ)

ابوالکلام آزاد- ادبی وشخصی مطالعہ (مرتبہ افضل حق قرشی)

ابوالکلام کی کہانی خود ان کی زبانی- عبدالرزاق ملیح آبادی

ارمغان آزاد- (مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری)

اسباب السرور واصحاب الخیور- خیرالدین دہلوی

اقبال کے آخری دو سال- ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی

الخیام- ابوالنصر غلام یٰسین آہ

السنۃ الطرور فی المعارف الخیریہ- خیرالدین دہلوی

انتخاب "البلاغ"- ابوالکلام آزاد

ایک علمی خاندان- سید شفقت رضوی

بال جبریل- علامہ اقبال

برصغیر پاک وہند میں عربی نعتیہ شاعری- ڈاکٹر محمد اسحٰق قریشی

تاریخ اہلحدیث۔ جلد سوم۔ مرتبہ دوست محمد شاہد
تاریخ الامت۔ جلد ہفتم۔ محمد اسلم جیراجپوری
تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد
تذکرہ۔ ابوالکلام آزاد
ترجمان القرآن۔ ابوالکلام آزاد
تصریحات آزاد۔ ابوالکلام آزاد
تقسیم ہند۔ عبدالوحید خاں
جوہر تقویم۔ ضیاء الدین لاہوری
چہرے۔ شورش کاشمیری
خطبات آزاد۔ مرتبہ مالک رام
خطبہ صدارت سیٹھ حاجی عبداللہ ہارون
خطوط ابوالکلام آزاد۔ مرتبہ مالک رام
خیر الامصار مدینۃ الانصار۔ خیر الدین دہلوی
درج الدرر البهية في ايمان الآباء و الامهات المصطفويه۔ خیر الدین دہلوی
سفر نامہ حجاز (تاریخ الحرمین)۔ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری
غبار خاطر۔ ابوالکلام آزاد
قول فیصل۔ ابوالکلام آزاد
کاروان خیال۔ ابوالکلام آزاد
کلیات اقبال (اردو)۔ علامہ اقبال
مختصر سوانح مولانا ابوالکلام آزاد مع خطبہ صدارت
مسائل اقبال۔ ڈاکٹر سید عبداللہ
مسجد نبوی ﷺ۔ محمد معراج الاسلام
مسلم انڈیا۔ کاش البرنی
مسئلہ خلافت۔ ابوالکلام آزاد
معاصرین۔ عبدالماجد دریابادی
مقالات یوم رضا (مرتبہ قاضی عبدالنبی کوکب و حکیم محمد موسیٰ امرتسری)
مکاتیب ابوالکلام۔ مرتبہ ابوسلمان شاہجہانپوری
مکتوبات مجدد الف ثانی۔ جلد اول

مکمل اسلامی انسائیکلوپیڈیا۔ سید قاسم محمود
ملفوظات آزاد۔ مرتبہ محمد اجمل خاں
مولانا ابوالکلام آزاد۔ ڈاکٹر شیر بہادر خاں پنی
مولانا آزاد اور ان کے ناقد۔ مرتبہ ایم اے شاہد
نقش آزاد۔ ابوالکلام آزاد
نوازش ہائے۔ مرتبہ سید انیس شاہ جیلانی
یاران کہن۔ عبدالمجید سالک

رسائل وجرائد

الہلال۔ ۹۔ اکتوبر ۱۹۱۲
اہلحدیث (ہفت روزہ) امرتسر۔ ۱۴ نومبر ۱۹۱۹
پاکستان اسٹیٹ آئل ریویو۔ کراچی۔ خصوصی اشاعت "حرم سے حرم تک"
پیسہ اخبار (روزنامہ) لاہور۔ ۳۰۔ اپریل ۱۹۲۰
پیسہ اخبار۔ ۲۶۔ اگست ۱۹۲۰
پیسہ اخبار۔ ۲۸۔ اگست ۱۹۲۰
پیسہ اخبار۔ ۲۹ نومبر ۱۹۲۰
تحقیق (مجلہ) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔ جلد ۲۔ شمارہ ۲
چٹان (ہفت روزہ) لاہور۔ ۲ مارچ ۱۹۷۱
دبدبہ سکندری رامپور۔ یکم نومبر ۱۹۲۰
دبدبہ سکندری۔ ۱۵ مارچ ۱۹۲۷
دنیائے نعت (کتابی سلسلہ نمبر ۳) کراچی۔ مارچ ۲۰۰۴۔ نعت نمبر
زمیندار (روزنامہ) لاہور۔ یکم مئی ۱۹۲۰
زمیندار۔ ۴۔ اگست ۱۹۲۰
زمیندار۔ ۱۹۔ اگست ۱۹۲۰
سعادت (پندرہ روزہ) کمالیہ۔ یکم فروری ۱۹۴۲
سعادت۔ ۲۴ جون ۱۹۴۲
ماحول کراچی۔ آزاد نمبر۔ ستمبر ۱۹۶۰
نقوش لاہور۔ آپ بیتی نمبر۔ جلد اول۔ جون ۱۹۶۴
ہمدم لکھنؤ۔ ۸ جون ۱۹۲۰

کتابِ مستطاب

مناقبِ حضرت غوث الاعظمؓ

مرتب: مکرمی راجا رشید محمود صاحب۔ مدیر اعلیٰ ماہنامہ "نعت" لاہور

صفحات: ۳۶۰

بہ الفاظ بحساب ابجد "جہانِ میراں"

"سبیلِ انوار"

سالِ اشاعت: ۱۴۲۵ھ

بہ الفاظ بحساب ابجد "مظہرِ آنِ مصطفیٰ"

"زیبِ نائبِ خیر البشر"

"چراغِ محفلِ حبیب اللہ"

سالِ اشاعت: ۲۰۰۴ء

بہ الفاظ بحساب ابجد "حُسن وجمالِ غوثِ مکرم"

"فروغِ شمعِ صدق وحق"

قطعۂ تاریخ

تو نے دی ترتیب اے مردِ رشید
یہ کتاب عمدہ ترین اعلیٰ ترین
اک گلستاں جس کا ہے ہر پھول خوب
اک صدف جس کا ہے ہر گوہر ثمیں
یہ مناقب کا جہانِ دلپذیر
یہ محامد کی ہے دُنیائے حسیں

"شاعرِ نعت: راجا رشید محمودؔ"

پر روزنامہ "نوائے وقت" لاہور کا تبصرہ (تبصرہ نگار: ڈاکٹر انور سدید)

راجا رشید محمود اردو ادب کی ایک جامع الحیثیات شخصیت ہیں وہ صاحبِ طرز انشا پرداز ہونے کے علاوہ اعلیٰ پائے کے شاعر ہیں۔ اہم بات یہ کہ ان کی شاعری کا رخ غزل اور نظم سے نعت وحمد کی طرف مڑ گیا تو ان کی تاریخ نگاری کے وصف نے "سیرت نگاری" کی صورت اختیار کی اور ان کے فکر ونظر کے متعدد زاویے ان کی خطابت میں رونما ہوئے۔ ان کی انفرادی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے ماہنامہ "نعت" کا اجراء کیا جو گزشتہ رُبع صدی سے باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ اس تمام عرصے میں راجا رشید محمودؔ کے اپنے اظہار کا آتش لشاں بھی اپنا تخلیقی تنقیدی اور ادبی لاوا اگلتا رہا اور ان کی نعتوں کے مجموعے چھپتے رہے۔ بقول شخصے "وہ چمن دیارِ مصطفیٰ ﷺ کا ایسا عندلیب ہے جو ہر لحہ وجہِ تخلیقِ عالمین ﷺ کے گن گاتا ہے ان کی غلامی کا دم بھرتا ہے ان کی عظمت کا راگ الاپتا ہے اور ان کی ذاتِ گرامی پر صلوٰۃ وسلام بھیجتا ہے"۔ زیرِ نظر کتاب جس کا نام "شاعرِ نعت..... راجا رشید محمودؔ" ہے ڈاکٹر سید محمد سلطان شاد نے پیش کی ہے۔ یہ مقالہ جو پانچ صد سے زیادہ صفحات پر پھیلا ہوا ہے راجا رشید محمودؔ کی نعت کے متعدد زاویوں کی تحقیق کے سلسلے میں لکھا گیا ہے لیکن اس میں فوقیت تجزیے کو دی گئی ہے چنانچہ اس مقالے میں راجا صاحب کے سولہ نعتیہ مجموعوں کا فاضلانہ تجزیہ کیا گیا ہے۔ جس کے زاویے روحانی بھی ہیں ادبی بھی اور فنی بھی۔ مقالے کے آغاز میں شاعرِ نعت کی حیثیت میں راجا رشید محمودؔ کی تخصصات اور اولیات کا اجمال پیش کیا گیا ہے۔ ان کی نعت کے موضوعات کی تفصیل 36 ابواب پر محیط ہے اور اس میں حضور ﷺ کی تعلیمات، سیرتِ طیبہ اور ذکرِ حرمین شریفین کے علاوہ متعدد دیگر زاویے موجود ہیں۔ فنی زاویوں کا احاطہ زبان وبیان کے باب میں پیش کیا گیا ہے اور اسی باب میں فکری محاسن کا تذکرہ بھی سما گیا ہے۔ مجموعی طور پر راجا رشید محمودؔ کی عقیدتِ نبوی ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ کے اظہار کے قرینوں پر یہ ایک مثالی تصنیف ہے جو اپنی نظیر آپ ہے۔ میں نعت کے لیے اپنی زندگی وقف کر دینے پر راجا رشید محمودؔ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ڈاکٹر سید محمد سلطان شاد کی تحسین بھی لازم ہے کہ انہوں نے یہ کتاب گہری ژرف نگاہی، علمی بصارت اور دینی بصیرت سے تالیف کی۔ اس کتاب کی ضخامت 536 صفحات اور قیمت 200 روپے ہے ملنے کا پتا..... الجلیل پبلشرز، اردو بازار لاہور"۔

(نوائے وقت، سنڈے میگزین۔ 16 جنوری 2005۔ صفحہ 25)

اُن کا ذکرِ خیر ہے اس میں، جو ہیں
غوثِ اعظم، صدرِ بزمِ عارفیں

ہیں خصائص جن کے بے حصر و حساب
حد کوئی جن کے فضائل کی نہیں

جملہ اغواثِ جہاں، اقطابِ دہر
جن، کے خوانِ فیض کے ہیں ریزہ چیں

خسروِ اقلیمِ علم و معرفت
تاجدارِ کشورِ صدق و یقیں

مظہرِ شانِ نبی ﷺ و بوترابؓ
دا دا
مہرِ اوجِ حق، مہِ اجلالِ دیں

جو ہیں دلدادہ شہِ گیلان کے
اس سے حظ اندوز ہوں گے بالیقیں

اس کی طارق نے کہی تاریخ چاپ
اللہ اللہ ''عزّ و شانِ غوثِ دیں''

۴ ۰ ۰ ۲ ۰

نتیجۂ فکر
''محتاجِ رحمتِ شاہِ حجاز'' (۱۴۲۵ھ)
محمد عبدالقیوم طارق سلطانپوری
حسن ابدال

اخبارِ نعت

سیّدِ ہجویرؒ نعت کونسل

1- چوتھے سال کا پہلا طرحی نعتیہ مشاعرہ ۶ جنوری ۲۰۰۵ء کو نماز مغرب کے بعد چوپال (ناصر باغ، لاہور) میں عبدالحمید قیصر کی صدارت میں ہوا۔ عظمت شیخ (عکاسِ حرمین شریفین) مہمانِ خصوصی، محمد شعیب مرزا مدیر ''پھول'' مہمانِ اعزاز اور غضنفر علی جاوِد چشتی (گجرات) مہمان شاعر کے طور پر مشاعرے میں شریک ہوئے۔ عبدالحمید قیصر کی طبیعت ناساز ہوگئی تو ریاض احمد مفتی (ایڈووکیٹ گجرات) سے مسندِ صدارت کو رونق بخشنے کے لیے کہا گیا۔ قاری غلام زبیر نازش (گوجرانوالا) نے تلاوتِ قرآن مجید کی اور محمد ثناء اللہ بٹ نے نعت خوانی کی سعادت حاصل کی۔ حسبِ روایت سیّد ہجویرؒ نعت کونسل کے چیئرمین راجا رشید محمود (مدیر ''نعت'') نے نظامت کی۔

شوکت ہاشمی کے ایک مجموعۂ نعت ''بہارِ طیب و طاہر'' سے درج ذیل مصرعِ طرح کے لیے دیا گیا تھا:

''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

مشاعرے میں صدرِ اول عبدالحمید قیصر، مہمان شاعر غضنفر علی جاوِد چشتی (گجرات) اور ناظم مشاعرہ راجا رشید محمود کے علاوہ جن شعراءِ کرام نے اپنی نعتیں خود آقا حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیں، ان میں صادق جمیل، شہزاد مجددی، محمد بشیر رزمی، رفیع الدین ذکی قریشی، صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری (بصیر پور)، محمد یونس حسرت امرتسری، بشیر رحمانی، ضیا نیر، اکرم سحر فارانی (کاموکے)، حافظ محمد صادق، رضا عباس رضا، قاری غلام زبیر نازش (گوجرانوالا)، محمد ابراہیم عاجز قادری، طفیل انگلی، منیر حسین عادل (سمندری)، ایوب زخمی، خواجہ محمد سلطان کلیم، شیخ صدیق ظفر (جلالپور جٹاں)، سید محمد اسلام شاہ، اشفاق فلک، حنیف آغاز اور عمران صابری شامل ہیں۔ عبدالقیوم خاں طارق سلطانپوری (حسن ابدال)، صابر براری (کراچی)، تنویر پھول (کراچی)، صدیق فتحپوری (کراچی)، محمد حنیف نازش قادری (کاموکے)، پروفیسر فیض رسول فیضان (گوجرانوالا)، محبت خاں بنگش (کوہاٹ)، روشن دین یکتی (سمندری)، محمد اشرف شاکر (سمندری) اور فرزند علی شوق ایڈووکیٹ (کاموکے) کی نعتیں پڑھ کر سنائی گئیں۔ مشاعرے کے اختتام پر صدرِ دوم ریاض احمد مفتی (گجرات) اور عظمت شیخ (مہمانِ خصوصی) نے خطاب کیا۔ مفتی صاحب نے دُعا کرائی۔

گرہ کی یہ صورتیں سامنے آئیں:

شوکت ہاشمی:
وہی شاداب رکھتے ہیں، وہی سیراب رکھتے ہیں
قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے

عبدالحمید قیصر:
عبادت سے، نہ حکمت سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

غضنفر علی جاوید چشتی:
ہے درمانِ غم بردہ جہاں سرکار ﷺ کی نسبت
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

صادق جمیل:
نہ تخت و تاج میں مضمر، نہ مال و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محمد حنیف نازش قادری:
قرار زندگی غیروں کے در سے مانگنے والے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

طارق سلطانپوری:
قرار زندگانی کی تمنا ہے جنھیں، سن لیں
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

فیض رسول فیضان:
نشاطِ جاودانی دین ہے ذکرِ پیمبر ﷺ کی
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

صابر براری:
سکونِ دل، سکونِ جاں انھی کے در سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

شہزاد مجددی:
شہادت سورۂ احزاب میں ہے اِس عقیدے کی
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

غلام زبیر نازش:
نہ تاج و تختِ شاہی سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

حافظ محمد صادق:
حشم سے، جاہ و رُتبہ سے، نہ مال و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محب اللہ نوری:
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''
وقارِ جاودانی الفتِ سرور ﷺ سے ملتا ہے

یونس حسرت امرتسری:
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''
غرض جو کچھ بھی ملتا ہے، انھی کے در سے ملتا ہے

تنویر پھول:
سکونِ قلبِ مسلم کو نبی ﷺ کے در سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

ضیا نیر:
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''
ہمیں مژدہ عطا کا خیر کے پیکر ﷺ سے ملتا ہے

اکرم سحر فارانی:
خدا کی یاد میں پنہاں نشاطِ روح کے جلوے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

صدیق فتحپوری:
سکونِ قلب ذکرِ خالقِ اکبر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

روشن دین یکتی:
قرار زندگی ہے جستجو ہر فرد کی لیکن
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

عاجز قادری:
''قرار زندگانی لطفِ پیمبر ﷺ سے ملتا ہے''
انھی کے فیض و رحمت سے مقدر جگمگاتا ہے

محبت خاں بنگش:
نہ دُنیا سے، نہ دولت سے، نہ سیم و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محمد اشرف شاکر:
نہ تخت و تاج سے ممکن، نہ مال و زر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محمد طفیل اعظمی:
بپا ذکرِ محمد ﷺ کا تو چشمِ تر سے ملتا ہے
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

منیر حسین عادل:
بغیر لطفِ آقا ﷺ زندگی بے کار ہے عادل
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

سید محمد اسلام شاہ:
غمِ جاناں غمِ دوراں عذابِ زندگانی ہیں
''قرار زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''
زمانے بھر میں کیفِ جاودانی ڈھونڈنے والو
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر سے ملتا ہے''۔

شیخ صدیق ظفر:
نہ مال و دولتِ دُنیا، نہ کرّوفر سے ملتا ہے
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

محمد سلطان کلیم:
کلیمؔ اس عالمِ ناسوت میں تم ڈھونڈتے کیا ہو
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

راجا رشید محمود:
یہی کہتا ہے میری زندگی کا ایک اک لمحہ
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

نہ ہو لطفِ پیمبر ﷺ تو قرارِ زندگانی کیا
''قرارِ زندگانی لطفِ پیغمبر ﷺ سے ملتا ہے''

-2 سیلز ہجویر نعت کونسل کے زیرِ اہتمام چوتھے سال کا دوسرا ماہانہ طرحی نعتیہ مشاعرہ ان شاء اللہ تعالیٰ ۳ فروری ۲۰۰۵ کو نمازِ مغرب کے بعد چوپال (ناصر باغ، لاہور) میں ہوگا۔ صاحبزادہ فیض الحسن کا یہ مصرعِ طرح کے لیے دیا گیا ہے:

''ہے وقفِ عام مائدۂ خوانِ مصطفیٰ ﷺ''

☆☆☆☆☆

Monthly "Naat" Lahore
LRL 157